BUDE-141

مرزا غالب کا خصوصی مطالعہ
Special Study of Mirza Ghalib

اسکول آف ہیومینیٹیز
اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، نئی دہلی

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

है और भी दुनिया में सुख़नवर बहुत अच्छे
कहते हैं कि 'ग़ालिब' का है अंदाज़-ए-बयाँ और

Block 1, 2, 3

بلاک 1،2،3

BUDE-141

مرزا غالب کا خصوصی مطالعہ

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومینیٹیز

بلاک
3

متن کا مطالعہ

بلاک 3 کا تعارف	
اکائی 9 قصیدہ "دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں" کے منتخبہ متن کی تدریس	151
اکائی 10 خطوطِ غالب کی خصوصیات	169
اکائی 11 خطوطِ غالب: متن کی تدریس	187
اکائی 12 غالب کی انفرادیت	217

بلاک 3 تعارف

تیسرا بلاک **'متن کا مطالعہ'** ہے۔اس میں کل 4 اکائیاں ہیں۔

اکائی9: 'قصیدہ: دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں' کے منتخبہ متن کی تدریس۔اس اکائی میں مرزا غالب کے تحریر کردہ قصیدے کی تشریح وتدریس ہے۔

اکائی10: 'خطوطِ غالب کی خصوصیات'۔اس اکائی میں خطوطِ غالب کے حوالے سے مرزا غالب کے اندازِ تحریر اور فن کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

اکائی 11: 'خطوطِ غالب' متن کی تدریس۔اس اکائی میں مرزا غالب کے خطوط کی تشریح و تدریس کی گئی ہے۔

اکائی 12: 'غالب کی انفرادیت'۔اس اکائی میں مرزا غالب کی شخصیت اور ان کی شاعری کی انفرادیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

اکائی 9 قصیدہ 'دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں' کی تدریس

ساخت

9.1 اغراض ومقاصد

9.2 تمہید

9.3 قصیدہ کسے کہتے ہیں

9.4 زیرتدریس قصیدہ کا متن

9.5 زیرتدریس قصیدہ کی تشریح وتعبیر

9.6 آپ نے کیا سیکھا

9.7 اپنا امتحان خود لیجیے

9.8 سوالات کے جوابات

9.9 فرہنگ

9.10 کتب برائے مطالعہ

9.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ کو یہ بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے گی کہ

- قصیدہ کسے کہتے ہیں؟
- اردو قصیدہ نگاری میں غالب کی کیا اہمیت ہے؟
- غالب کے زیرتدریس قصیدہ کی تشریح وتعبیر کرکے آپ کے اندر کسی بھی قصیدہ کو سمجھنے کی صلاحیت کیسے پیدا کریں۔

9.2 تمہید

اردو کی دیگر شعری اصناف کی طرح قصیدہ بھی ایک صنف ہے۔اس کے ذریعے عام طور پر کسی کی تعریف یا برائی کی جاتی ہے۔اردو میں یہ صنف سخن فارسی سے لی گئی ہے جبکہ فارسی میں یہ صنف عربی سے داخل ہوئی۔ انقلاب اٹھارہ سوستاون سے قبل اردو میں قصیدے بڑی تعداد میں لکھے جاتے تھے لیکن اس کے بعد اس صنف پر زوال کے بادل منڈلانے لگے تھے۔بدلے ہوئے حالات میں اردو شاعری کے نت نئے اصول وضوابط مقرر ہونے لگے تھے۔خصوصاً حالی جیسے ناقدین قصیدے میں

سلاست وسادگی اور حقیقی تعریف یا برائی کو داخل کرنا چاہتے تھے جسے قصیدہ جیسی شعری صنف قبول نہیں کر سکتی تھی۔ نتیجتاً یہ صنف زوال آمادہ ہوگئی لیکن اس میں مستعمل پُرشکوہ الفاظ، انداز بیان کی رفعت اور زور تخیل وغیرہ کے سبب آج بھی ہماری کلاسیکی شعری اصناف میں ایک اعلا مقام رکھتی ہے۔

9.3 قصیدہ کسے کہتے ہیں

قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنیٰ 'گاڑھا مغز' ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ لفظ قصیدہ، قصد سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہے 'ارادہ کرنا'۔ لیکن اصطلاح میں قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے اور بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں۔ ردیف کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ بغیر ردیف کے بھی قصیدے لکھے جا سکتے ہیں۔ موضوع کے اعتبار سے اس میں کسی کی مدح یا تعریف یا کسی کی ہجو یا برائی کی جاتی ہے۔ عام طور پر قصیدہ کے پانچ اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں: تشبیب، گریز، مدح، مدعا اور دعا۔ تشبیب سے وہ اشعار مراد لیے جاتے ہیں جو قصیدے کی ابتدا میں تمہید کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔ اس کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔ مطلع بلند پایہ اور شگفتہ ہونا چاہیے۔ تشبیب میں ہر طرح کے مضامین مثلاً موسم بہار، واردات حسن و عشق، فلسفہ و حکمت، دنیا کی بے ثباتی اور زمانے کی شکایت وغیرہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ تشبیب کے بعد قصیدہ نگار مدح کی جانب قدم بڑھاتا ہے۔ وہ براہ راست ممدوح کی تعریف نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے چند ایسے اشعار پیش کرتا ہے جس سے تشبیب اور مدح کے درمیان ایک منطقی ربط پیدا ہو جائے۔ اسی کو گریز کہا جاتا ہے۔ گریز کے بعد شاعر مدح کی جانب آتا ہے اور اس میں ممدوح کی تعریف کے لیے پرشکوہ الفاظ کا استعمال کرتا ہے اور خوب مبالغے سے کام لیتا ہے۔ قصیدے کا چوتھا جز مدعا یا حسن طلب ہے۔ اس میں شاعر اپنے ذاتی حالات اور اغراض و مقاصد بیان کرتا ہے۔ اس موقع پر ممدوح کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے کچھ اس طرح اپنا مطلب بیان کرتا ہے جس سے ممدوح قصیدہ نگار کے مدعا یا حسن طلب کو بخوشی گوارہ کر لے۔ قصیدہ کا پانچواں اور آخری جز دعا ہے۔ اس میں شاعر ممدوح کی درازیِ عمر، شان و شوکت اور مال و دولت وغیرہ میں اضافہ کے لیے دعا دیتا ہے۔

9.4 زیر تدریس قصیدہ کا متن

1 دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں — ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں
2 بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق — بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
3 ہَرزَہ ہے نغمۂ زیر و بمِ ہستی و عدم — لغو ہے آئینۂ فرقِ جنون و تمکیں
4 نقشِ معنی ہمہ خمیازۂ عرضِ صورت — سخنِ حق ہمہ پیمانۂ ذوقِ تحسیں
5 لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم — دُردِ یک ساغرِ غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں
6 مثلِ مضمونِ وفا باد بہ دستِ تسلیم — صورتِ نقشِ قدم خاک بہ فرقِ تمکیں

7 عشق بے ربطیِ شیرازۂ اجزائے حواس — وصل زنگارِ رخِ آئینۂ حسنِ یقیں
8 کوہکن گُرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب — بیستوں، آئینۂ خوابِ گرانِ شیریں
9 کس نے دیکھا نفسِ اہلِ وفا آتش خیز — کس نے پایا اثرِ نالۂ دل ہائے حزیں
10 سامع زمزمۂ اہلِ جہاں ہوں، لیکن — نہ سر و برگِ ستائش، نہ دماغِ نفریں
11 کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ — یک قلم خارج آدابِ وقار و تمکیں
12 نقش لاحول لکھ، اے خامۂ ہذیاں تحریر — یا علی! عرض کر، اے فطرتِ وسواس قریں
13 مظہرِ فیضِ خدا جان و دلِ ختمِ رُسُل — قبلۂ آلِ نبی، کعبۂ ایجادِ یقیں
14 ہو وہ سرمایۂ ایجاد، جہاں گرمِ خرام — ہر کف خاک ہو واں، گردۂ تصویر زمیں
15 جلوہ پرداز ہو نقشِ قدم اس کا جس جا — وہ کفِ خاک ہے ناموسِ دو عالم کی امیں
16 نسبتِ نام سے اس کی ہے یہ رتبہ کہ رہے — ابداً پشتِ فلک خم شدۂ نازِ زمیں
17 فیضِ خُلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا — بوئے گل سے نفسِ بادِ صبا عطر آگیں
18 بُرّشِ تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا — قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں
19 کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے — رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بت خانۂ چیں
20 جاں پناہا! دل و جاں فیض رسانا! شاہا! — وصی ختمِ رُسُل تو ہے بہ فتوائے یقیں
21 جسمِ اطہر کو ترے دوشِ پیمبر منبر — نامِ نامی کو ترے ناصیۂ عرش نگیں
22 کس سے ممکن ہے تری مدح بغیر از واجب — شعلۂ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
23 آستاں پر ہے ترے جوہرِ آئینۂ سنگ — رقمِ بندگیِ حضرتِ جبریلِ امیں
24 تیرے در کے لیے اسبابِ نثار آمادہ — خاکیوں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں
25 تیری مدحت کے لیے ہیں دل و جاں کام و زباں — تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبیں
26 کس سے ہو سکتی ہے مداحِ ممدوحِ خدا — کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں
27 جنسِ بازارِ معاصی اسداللہ اسد — کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
28 شوخیِ عرضِ مطالب میں ہے گستاخ طلب — ہے ترے حوصلۂ فضل پہ از بسکہ یقیں
29 دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسنِ قبول — کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں
30 غمِ شبیر سے ہو سینہ یہاں تک لبریز — کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں
31 طبع کو اُلفتِ دُلدُل میں یہ سرگرمیِ شوق — کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور مجھ سے جبیں
32 دلِ الفت نسب و سینۂ توحید فضا — نگہِ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزیں
33 صَرفِ اَعدا اثرِ شعلہ و دُودِ دوزخ — وقفِ احباب گل و سنبلِ فردوسِ بریں

9.5 زیرتدریس قصیدہ کی تشریح وتعبیر

زیرتدریس قصیدہ غالب کے بہترین قصائد میں شمار ہوتا ہے۔اس کا پہلا شعر مطلع ہے۔اس میں غالب نے وحدۃ الوجود کے مضمون کو پیش کیا ہے۔اس کے پہلے مصرعے میں وہ کہتے ہیں کہ زمانہ یعنی پوری کائنات معشوق حقیقی یعنی خدا کے جلوے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔دراصل یہ کائنات اللہ تعالیٰ کا عکس ہے۔جبکہ دوسرے مصرعے میں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ اپنے جلوؤں کو دیکھنا مطلوب تھا اس لیے اس نے کائنات اور دیگر مخلوقات کو پیدا کیا۔ سچی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ خود بینی نہیں ہوتی تو اس کائنات کا وجود ہی نہیں ہوتا۔

قصیدہ کے دوسرے شعر میں غالب نے دنیا اور دنیا کی تمام اشیا سے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا ہے۔ان کے مطابق تماشا یعنی مشاہدے سے عبرت حاصل ہوتی ہے یا لطف وانبساط حاصل ہوتا ہے۔لیکن مجھ پر اس قدر بیدلی طاری ہے کہ کسی منظر کو دیکھ کر نہ عبرت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی لطف ہاتھ آتا ہے۔نتیجتاً نہ مجھے اب دنیا کی خواہش ہے اور نہ ہی دین کی مجھ میں تمنا اور آرزو رہ گئی ہے۔یعنی اب میں دونوں دنیا کی آرزو سے فارغ ہو چکا ہوں۔

تیسرے شعر کے پہلے مصرعے میں غالب کہتے ہیں کہ اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت زندگی اور موت ہے۔دنیا والے اسے کسی نغمے کے زیر و بم سے تشبیہ دیا کرتے ہیں جبکہ میرے نزدیک یہ نغمہ یعنی موت وحیات بے حقیقت ہے۔اسی طرح دوسرے مصرعے میں غالب کہتے ہیں کہ دنیا والے دیوانگی کے مقابلے میں فرزانگی کو اہمیت دیتے ہیں جبکہ میرے نزدیک ان دونوں کے درمیان فرق کرنے والا آئینہ ہی لغو یعنی بے معنی اور بے کار ہے۔

چوتھے شعر کے پہلے مصرعے میں غالب کہتے ہیں کہ جس چیز کو لوگ معنی کے نقوش کا نام دیتے ہیں، وہ صورت کی پیشکش کی ایک انگڑائی کے علاوہ کچھ نہیں۔اسی طرح دوسرے مصرعے میں کہتے ہیں کہ جو لوگ سخن حق یعنی حق بات کے طرف دار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ بھی میرے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔کیونکہ حق و باطل کوئی حقیقی چیزیں نہیں ہیں بلکہ لوگ جس چیز کو پسند کرتے ہیں، اسے حق کا نام دیتے ہیں اور جسے ناپسند کرتے ہیں، اسے باطل قرار دیتے ہیں۔

پانچویں شعر میں غالب نے دانشوری، حکمت اور زہد و پرہیز گاری دونوں کا مذاق اڑایا ہے۔ان کے مطابق دانشمندی کی ڈینگیں مارنا غلط اور عبادت کا نفع معدوم ہے۔حقیقت یہ ہے کہ دنیا ہو یا دین، وہ غفلت اور نادانی کے ایک ساغر کی تلچھٹ کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

چھٹے شعر کے پہلے مصرعے میں غالب کہتے ہیں کہ جس طرح عاشقوں کو وفاداری سے کچھ ہاتھ نہیں آتا، اسی طرح شیوۂ تسلیم و رضا سے بھی کچھ ملنے والا نہیں ہے۔اور دوسرے مصرعے میں کہتے ہیں کہ

جس طرح نقش قدم کے سر پر خاک پڑی رہتی ہے، اسی طرح غرور اور ناز کا سر بھی ہمیشہ خاک آلود ہی رہتا ہے۔ اس شعر کے ذریعے غالب کہنا چاہتے ہیں کہ تسلیم ہو یا تمکین دونوں بے سود اور بے فائدہ ہیں۔

ساتویں شعر کے پہلے مصرعے میں غالب کہتے ہیں کہ حواس کے اجزا کے بندھن کے بے ربط ہو جانے کا نام عشق ہے۔ یعنی جب حواس خلل پذیر ہو جاتے ہیں تو اس کا اظہار عشق کی صورت میں ہوتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں وہ کہتے ہیں کہ وصل حسنِ یقین کے آئینے کا زنگ ہے۔ یعنی عشق کو اگر حسن یقین کا آئینہ کہیں تو وصل اس کے لیے زنگ کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح آئینۂ جلبی، زنگ آلود ہو کر اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے، اسی طرح وصل، عشق کی قدر و قیمت کو زائل کر دیتا ہے۔

آٹھویں شعر میں غالب نے کہا ہے کہ فرہاد جسے دنیا میں ایک مثالی عاشق تصور کیا جاتا ہے، اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے رقیب کے عشرت کدے کا ایک بھوکا مزدور تھا۔ اسی طرح شیریں کے کردار کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ بھی کوئی مثالی معشوقہ نہیں تھی۔ کیونکہ وہ اپنے عاشق کی طرف سے تغافل کی گہری نیند سوتی رہی، ایسی گہری نیند جس کی گرانی کی تمثیل، کوہِ بے ستوں سے پیش کی جا سکتی ہے۔

نویں شعر میں غالب نے کہا ہے کہ اہل وفا کی سانس کو کس نے سوز دل کی وجہ سے آتش خیز ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ علاوہ ازیں غمزدہ دلوں کے نالے کا اثر کس نے پایا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ محض دعویٰ ہے۔ اہل وفا کی سانس کو کسی نے آتش خیز ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور نہ ہی غمزدہ دلوں کے نالوں کا اثر پایا جاتا ہے۔

دسواں شعر اس قصیدہ کی تشبیب کا آخری شعر ہے۔ اس میں غالب نے دنیا سے اپنی لاتعلقی کا اظہار ایک انوکھے انداز میں کیا ہے۔ ان کے مطابق دنیا والوں کا زمزمہ سنتا رہتا ہوں۔ یعنی ان کی نت نئی آوازیں میرے کانوں تک پہنچتی رہتی ہیں۔ لیکن نہ تو مجھے کسی کی تعریف کا خیال ہے اور نہ ہی کسی سے نفرت کی تاب ہے۔

اس قصیدے کا آغاز اگرچہ فلسفۂ وحدۃ الوجود سے کیا گیا ہے لیکن بعد کے اشعار میں دنیا سے اپنی بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار کیا گیا ہے۔ تشبیب کے آخری شعر میں بھی اسی مضمون کا اعادہ کیا گیا ہے۔ آغاز اور اختتام میں مضمون کی تکرار و یکسانیت کے باوجود قارئین ان اشعار سے محظوظ ہوتے ہیں کیونکہ حسن مطلع میں غالب نے دنیا سے اپنی بے تعلقی کا اظہار باصرہ کے تلازموں اور آخری شعر سامعہ کے تلازموں کے ذریعے پیش کیا ہے۔

قصیدہ کا گیارہواں اور بارہواں شعر گریز کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اول الذکر شعر میں صنعت رجوع سے کام لیتے ہوئے غالب خود سے کہتے ہیں کہ اللہ کی پناہ میں کس قدر بکواس کرنے والا ہو گیا

ہوں۔ وقار اور تمکنت کے آداب سے بھی خارج یعنی باہر ہوگیا ہوں۔ثانی الذکر شعر میں غالب اپنے قلم سے کہتے ہیں کہ اے بکواس لکھنے والے قلم! تو لاحول کا تعویذ لکھ، تا کہ شیطان تجھ سے دور بھاگ جائے۔اس کے بعد وہ اپنی طبیعت سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ تو اپنی زبان پر یا علی کا وظیفہ جاری کر لے تا کہ وسوسے تجھ سے دور بھاگ جائیں۔

گریز کے دونوں اشعار غالب کے کمال فن کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔تشبیب سے مدح کی جانب آنے کے لیے غالب نے ان دونوں اشعار کو کچھ یوں پیش کیا ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ باتوں باتوں میں فطری طور پر ممدوح کا ذکر آ گیا اور اب اس کی مدح ناگزیر ہے۔چنانچہ قصیدہ کے تیرہویں شعر سے غالب حضرت علی کی مدح کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

تیرہویں شعر میں غالب نے حضرت علی کی چار صفتیں بیان کی ہیں۔اول، حضر علی کی ذات خدا کے فیوض و برکات کی مظہر ہے۔دوم، وہ آخری رسول یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر عزیز ہیں گویا ان کی جان اور ان کے دل ہیں۔سوم، حضرت علی کو خاندان نبوت میں وہ مرکزیت حاصل ہے جو قبلے کو ہوتی ہے۔یعنی وہ آل نبی میں سب سے نمایاں اور مقدس شخصیت ہیں۔چہارم، انھیں دیکھ کر ایمان و یقین میں ٹھیک اسی طرح اضافہ ہوتا ہے جس طرح خانۂ کعبہ کو دیکھ کر ہمارا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

چودھویں شعر میں غالب نے حضرت علی کو ایجاد کا سرمایہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ زمین کے جس حصے پر وہ اپنے قدم رکھتے ہیں، وہاں کی مٹی ایک نئی زمین کی تصویر کا خاکہ بن جاتی ہے۔یعنی وہاں سے ایک نئی دنیا وجود میں آ جاتی ہے۔

پندرھویں شعر میں غالب نے کہا ہے کہ حضرت علی کے قدموں کے نشانات جس جگہ اپنا جلوہ دکھا دیں، وہاں کی مٹھی بھر خاک دونوں عالم کی عزت و آبرو کی امین ہو جاتی ہے۔

سولھویں شعر میں غالب نے حسن تعلیل کے پیرائے میں کہا ہے کہ حضرت علی کی کنیت چونکہ ابوتراب ہے اور تراب کے معنی مٹی کے ہوتے ہیں اس لیے زمین کو حضرت علی سے ایک خاص نوع کی نسبت حاصل ہے۔نتیجتاً زمین کو ایسا رتبہ حاصل ہو گیا ہے کہ آسمان کی پیٹھ ہمیشہ زمین کی ناز برداری کے لیے جھکی رہتی ہے۔

سترہویں شعر میں غالب نے کہا ہے کہ یہ حضرت علی کے اخلاق کا فیض ہے کہ پھول کی خوشبو سے باد صبا معطر رہتی ہے۔یعنی پھولوں کی خوشبو سے بادصبا اگر خوشبودار بنتی ہے تو اس کی اصل وجہ حضرت علی کا اخلاق ہے۔

اٹھارہویں شعر میں حضرت علی کے تلوار کی تعریف کی گئی ہے۔اس حوالے سے غالب کہتے ہیں کہ ساری دنیا میں حضرت علی کے تلوار کی تیزی اور کاٹ کا چرچا ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے دنیا

کے وجود کا دھاگا کٹ جائے یعنی دنیا فنا ہو جائے۔

انیسویں شعر میں حضرت علی کے جلوے کو کفر مٹانے والا قرار دیا گیا ہے جس سے چین کے بت خانے کی رونق بھی رنگ عاشق کی طرح ٹوٹ جاتی یا ختم ہو جاتی ہے۔

تیرہویں شعر سے انیسویں شعر تک غالب نے اپنے ممدوح کی تعریف صیغۂ غائب میں کی ہے۔یعنی یہ اشعار مدح غائب سے تعلق رکھتے ہیں۔بیسویں شعر سے وہ ممدوح کی تعریف صیغۂ حاضر میں کرتے ہیں جسے مدح حاضر کہا جاتا ہے۔چنانچہ غالب کہتے ہیں کہ اے ہم سب کی جانوں کی پناہ گاہ! اے ہمارے دل و جان کو فیض پہنچانے والے! اے ہمارے آقا اور بادشاہ! ہم اپنے ایمان و یقین کے فتوے کے مطابق آپ کو ختم رسل یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین مانتے ہیں۔

اکیسویں شعر میں کہتے ہیں کہ آپ کا جسم ایسا پاکیزہ ہے کہ حضور پاک کے کندھے منبر بن گئے ہیں اور آپ کی عظمت کا یہ حال ہے کہ آپ کے بلند نام کے لیے عرش کی پیشانی نگینہ بن گئی ہے۔اس شعر کے ذریعے غالب نے ان دو واقعات کو نظم کرنے کی کوشش ہے جن میں سے پہلا تو یہ ہے کہ حضرت علی نے فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہو کر خانۂ کعبہ کو بتوں اور تصویروں سے پاک کیا تھا۔دوسرا یہ کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرش کے پایے پر حضرت علی کا نام لکھا ہوا دیکھا تھا۔

بائیسویں شعر میں ممکن سے مراد وہ تمام مخلوقات ہیں جن کا ہونا اور نہ ہونا دونوں ضروری ہے۔واجب سے مراد وہ ذات پاک جس کا ہونا ضروری ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔اسی طرح آئین باندھنے سے مراد آئینہ بندی یعنی آرائش و زیبائش ہے۔چنانچہ غالب کہتے ہیں کہ آپ کی تعریف اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے ممکن نہیں۔جس طرح شمع کی آرائش و زیبائش شعلۂ شمع کے علاوہ کسی اور ذریعے سے نہیں ہو سکتی۔

تئیسویں شعر میں غالب کہتے ہیں کہ آپ کے آستانے کا پتھر جو آئینہ کے مانند چمک رہا ہے،اس میں جو باریک لکیریں اور حلقے ہیں اور جنھیں جوہر آئینہ کہتے ہیں وہ درحقیقت حضرت جبریل امین کی غلامی کی تحریر ہے۔یعنی حضرت علی! آپ ایسے عظیم المرتبت ہیں جن کی چوکھٹ پر حضرت جبریل امین بھی جبہ سائی کرتے ہیں۔

چوبیسویں شعر میں غالب کہتے ہیں کہ آپ کے دروازے پر نچھاور کرنے کے لیے جو سامان تیار کیا گیا ہے، وہ جان و دل اور دین جیسی قیمتی چیزیں ہیں جو اللہ نے انسانوں کو عطا کی ہیں۔اس شعر کے ذریعے غالب دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امیروں اور نوابوں کے دروازوں پر سونے چاندی کے سکے لٹائے جاتے ہیں جبکہ آپ کے در پر جان و دل اور عقیدت کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔

پچیسویں شعر میں غالب کہتے ہیں کہ اے ممدوح آپ کی تعریف کے لیے تالو اور زبان نہیں بلکہ دل و

جاں کا سہارا لیا جاتا ہے۔اسی طرح آپ کو سلام کرنے کے لیے ہاتھ اور پیشانی نہیں بلکہ لوح محفوظ اور قلم کی ضرورت ہوتی ہے۔

چھبیسواں شعر مدح کے خاتمے کا شعر ہے۔اس میں غالب کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی تعریف میں جو کچھ بھی کہا ہے، وہ ناقص اور نا تمام ہے۔کیونکہ جو خدا کا ممدوح ہو، اس کی مدح کس سے ہوسکتی ہے۔جس طرح فردوس بریں کی آرائش و زیبائش کسی انسان سے ممکن نہیں، اسی طرح آپ کی تعریف بھی کسی انسان سے نہیں ہوسکتی۔

ان مدحیہ اشعار کے بعد غالب دعا سے پہلے دو اشعار (ستائیسواں اور اٹھائیسواں میں) مدعا یا حسن طلب کے طور پر پیش کرتے ہیں۔چنانچہ ستائیسویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ یہ اسد اللہ اسد گناہوں کے بازار کا ایک جنس ہے۔یعنی بہت ہی گنہگار بندہ ہے۔اور آپ کے علاوہ اس کا کوئی خریدار یا پُرسان حال نہیں ہے۔جبکہ اٹھائیسویں شعر میں کہتے ہیں کہ وہ اپنے مطالب و مقاصد کی پیشکش میں اس قدر شوخ ہے کہ گستاخی کر بیٹھتا ہے۔کیونکہ آپ کے فضل و کرم پر اسے بہت زیادہ یقین ہے۔

ان دو اشعار کے بعد غالب دعا کی جانب آتے ہیں اور اُنتیسویں شعر سے دعا کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔اس میں غالب کہتے ہیں کہ میری دعا کو حسن قبولیت کا وہ رتبہ عطا کیا جائے کہ میری دعا کے ہر ہر حرف پر خود قبولیت سو سو بار آمین کہے۔

تیسویں شعر میں غالب یہ تمنا کرتے ہیں کہ میرا سینہ حضرت حسین کے غم سے اس قدر لبریز ہو کہ ہر وقت میرے خون جگر سے میری آنکھیں رنگین رہیں۔یعنی حضرت حسین کے غم میں وہ ہر وقت خون کے آنسو بہاتے رہیں۔

اکتیسویں شعر میں غالب یہ دعا کرتے ہیں کہ میری طبیعت کو دُلدُل کی محبت میں ذوق و شوق کی وہ سرگرمی عطا کی جائے کہ وہ جہاں تک جائے، اس کے قدموں کے نیچے میں اپنی پیشانی بچھاتا جاؤں۔

بتیسویں شعر میں غالب نے چار دعائیں مانگی ہیں۔اول یہ کہ مجھے ایسا دل عطا کیا جائے جو محبت کرنے والا ہو۔دوم، مجھے ایسا سینہ عطا کیا جائے جس کی فضائیں توحید سے معمور ہوں۔سوم، ایسی نگاہ عطا کی جائے جو حق تعالیٰ کے جلوؤں کی پرستش کرنے والی ہو۔چہارم، ایسی سانس اور روح عطا کی جائے جو صداقت کو اختیار کرنے والی ہو۔

تینتیسواں شعر قصیدہ کا آخری شعر ہے جس کا پہلا مصرع تبرّا ہے۔اس میں غالب کہتے ہیں کہ اے ممدوح! آپ کے دشمنوں کے لیے دوزخ کے دھوئیں اور شعلے کے اثرات صرف کیے جائیں۔یعنی آپ کے تمام دشمنان دوزخ میں ڈال دیے جائیں۔جبکہ دوسرے مصرعے میں تولّا کا مضمون باندھا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ آپ کے دوستوں کے لیے فردوس بریں کے گل و سنبل کو وقف کر دیا

جائے۔یعنی تمام دوستوں کو جنت کا سب سے اونچا مقام عطا کیا جائے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ غالب کا زیرتدریس قصیدہ جس کا عنوان 'قصیدہ درمنقبت حضرت علیؑ' ہے، بے حد عمدہ اور کامیاب قصیدہ ہے۔اس کی تشبیب دل آویز، گریز فطری اور پرکشش ہے۔مدح گوئی میں وہ زمین وآسمان کے قلابے ملاتے نظر نہیں آتے بلکہ حقیقت نگاری سے کام لیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قصیدے کے دیگر اجزا حقیقت کے قریب اور بے حد پُراثر ہیں۔

9.6 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ نے بخوبی سمجھ لیا ہوگا کہ

- قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے اور بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف ہوتے ہیں۔بغیر ردیف کے بھی قصیدے لکھے جاسکتے ہیں۔موضوع کے اعتبار سے اس میں کسی کی مدح یا تعریف یا کسی کی ہجو یا برائی کی جاتی ہے۔
- زیرتدریس قصیدہ کا عنوان 'درمنقبت حضرت علیؑ' ہے جس میں حضرت علی کی شان میں ان کی شخصیت کے مطابق تعریف کی گئی ہے۔
- زیرتدریس قصیدہ تینتیس اشعار پر مشتمل ہے جس میں غالب نے قصیدے کے تمام اجزائے ترکیبی کو بے حد منطقی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔
- 'قصیدہ درمنقبت حضرت علیؑ' غالب کے بہترین قصائد میں شمار ہوتا ہے۔اس کی تشبیب بے حد دل آویز، گریز فطری اور پرکشش ہے۔چونکہ غالب نے حقیقت نگاری سے کام لیا ہے اس لیے مدح کے علاوہ قصیدے کے دیگر اجزا بھی حقیقت سے بے حد قریب ہیں۔یہی وجہ ہے کہ قارئین اس سے خوب لطف اندوز ہوتے ہیں۔

9.7 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ قصیدہ کسے کہتے ہیں؟

2۔ 'درمنقبت حضرت علیؑ' کی خصوصیات بیان کیجیے۔

3۔ زیرتدریس قصیدہ کا وہ شعر لکھیں جسے تشبیب کہا جاتا ہے۔

4۔ گریز سے کیا مراد ہے؟ زیرتدریس قصیدہ میں شامل گریز کے شعر کو لکھیں۔

5۔ زیرتدریس قصیدہ کس کی تعریف میں لکھا گیا ہے؟

9.8 سوالات کے جوابات

1۔ قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنیٰ 'گاڑھا مغز' ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ لفظ قصیدہ، قصد سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہے 'ارادہ کرنا'۔ لیکن اصطلاح میں قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے اور بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں۔ ردیف کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ بغیر ردیف کے بھی قصیدے لکھے جا سکتے ہیں۔ موضوع کے اعتبار سے اس میں کسی کی مدح یا تعریف یا کسی کی ہجو یا برائی کی جاتی ہے۔ عام طور پر قصیدہ کے پانچ اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں: تشبیب، گریز، مدح، مدعا اور دعا۔

2۔ 'قصیدہ درمنقبت حضرت علیؑ' کی تشبیب بے حد دل آویز، گریز فطری اور پرکشش ہے۔ قصیدے میں چونکہ حقیقت نگاری سے کام لیا گیا ہے اس لیے مدح، مدعا اور دعا کے لیے جن اشعار کو پیش کیا گیا ہے اس میں حقیقی اور فطری انداز حاوی۔ غالب نے اس قصیدے میں برمحل تشبیہات، استعارات، حسن تعلیل، صنعت تضاد اور دیگر شعری لوازمات کا بھرپور اور فنکارانہ استعمال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قصیدہ غالب کے بہترین قصائد میں شمار ہوتا ہے۔ قارئین کے درمیان اس قصیدے کے تئیں ایک خاص نوع کی دلچسپی قائم رہتی ہے۔

3۔ زیر تدریس قصیدے کے ابتدائی دس اشعار غالب نے تشبیب کے طور پر پیش کیے ہیں۔ اس کا دسواں شعر تشبیب کا آخری شعر ہے جو اس طرح ہے ؎

سامع زمزمۂ اہل جہاں ہوں، لیکن
نہ سرو برگِ ستائش، نہ دماغِ نفریں

4۔ تشبیب کے بعد قصیدہ نگار مدح کی جانب قدم بڑھاتا ہے۔ وہ براہ راست ممدوح کی تعریف نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے چند ایسے اشعار پیش کرتا ہے جس سے تشبیب اور مدح کے درمیان ایک منطقی ربط پیدا ہو جائے، اسی کو گریز کہا جاتا ہے۔ زیر تدریس قصیدے میں شامل گریز کے یہ شعر ملاحظہ کریں ؎

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ
یک قلم خارج آدابِ وقار و تمکیں
نقش لاحول لکھ، اے خامۂ ہذیاں تحریر
یا علی! عرض کر، اے فطرتِ وسواس قریں

5۔ زیر تدریس قصیدہ حضرت علی کی تعریف میں لکھا گیا ہے۔

9.9 فرہنگ

لفظ	معنی
دہر	دنیا

خود بیں	اپنے آپ کو دیکھنے والا
تماشا	نظارہ، مشاہدہ
عبرت	سبق حاصل کرنا
ذوق	ذائقہ، لذت، لطف
ہرزہ	بیکار
زیر و بم	آواز کے اتار کو زیر کہتے ہیں اور بلند ہونے کو بم کہتے ہیں
لغو	بیکار
تمکین	ہوشمندی اور فرزانگی
ہمہ	تمام تر
خمیازہ	انگڑائی
عرض صورت	صورت کی پیشکش
پیمانہ	ناپنے کا آلہ، مراد معیار
ذوق تحسیں	تعریف سننے کا شوق
لاف	ڈینگ مارنا
معلوم	معدوم، نہ ہونا
دُرد	تلچھٹ
چہ	کیا
باد بہ دست تسلیم	رضا جوئی کی مٹھی میں ہوا ہے یعنی کچھ نہیں ہے
خاک بہ فرق	خاک بہ سر ہونا یعنی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا
تمکین	تمکنت یعنی اپنے آپ پر فخر اور غرور کرنا
تسلیم	نیازمندی اور خاکساری
شیرازہ	بندھن، وہ ڈور جس سے کسی چیز کو باندھ دیا جائے
زنگار	زنگ، کدورت
کوہکن	فرہاد، خسرو پرویز بادشاہِ ایران کی بیوی شیریں کا ناکام عاشق جس نے شیریں کو حاصل کرنے کے لیے کوہِ بیستوں کاٹ کر دودھ کی نہر نکالی تھی، لیکن شیریں کی موت کی جھوٹی خبر سن کر اس نے اپنے تیشے سے خودکشی کر لی تھی۔
گُرسنہ	بھوکا
طرب گاہ	عشرت کدہ یعنی محل
گراں	بھاری

آتش خیز	جس سے آگ نکل رہی ہو
دل ہائے حزیں	رنجیدہ دل
سامع	سننے والا
زمزمہ	نغمہ،سُر ،ترانہ
سروبرگ	خیال، پرواہ
ستائش	تعریف
دماغ	برداشت،تاب
نفریں	ملامت،نفرت
ہرزہ سرا	بیہودہ گو، یاوہ گو
عیاذاً باللہ	اللہ کی پناہ
یک قلم	بالکل
نقش	یہاں تعویذ سے مراد ہے
لاحول	نفرت وبیزاری کا کلمہ
خامۂ ہذیاں تحریر	مہمل باتیں لکھنے والا قلم
وسواس قریں	شک وشبہ سے قریب
ختم رُسل	رسولوں کے سلسلے کا اختتام،خاتم النبیین ،مراد پیغمبر اسلام
سرمایۂ ایجاد	دنیا کی پیدائش کا سرمایہ
گرمِ خرام ہونا	چہل قدمی کرنا
کفِ خاک	ایک مٹھی خاک یا مٹی
گردہ	مصور کا خاکہ،سفوف جو مصور استعمال کرتے ہیں
گردۂ تصویر زمیں	زمین کی تصویر کا خاکہ
جلوہ پرداز	جلوہ دکھانے والا یا سنوارنے والا
ناموس	عزت
امین	امانت دار
نسبتِ نام	نام کا تعلق،اشارہ ہے حضرت علی کے ایک نام ابوتراب کی طرف
ابداً	ہمیشہ
خم شدہ	جھکا ہوا
فیضِ خُلق	نیک خوئی کا فائدہ یا کرم
نفسِ بادِ صبا	ہوا کی سانس،مراد ہوا

عطر آگیں	عطر سے بھرا ہوا، خوشبودار
بُرِش	تلوار کی کاٹ
چرچا	شہرت
ایجاد	پیدا کرنا، مراد دنیا
سر رشتۂ ایجاد	دنیا کے وجود کا دھاگا یا سلسلہ
رنگ ٹوٹنا / رونق ٹوٹنا	رنگ اور رونق کا زائل ہونا
بت خانۂ چیں	قدیم زمانے میں چین کا مشہور بت خانہ
جاں پناہا	جان کو پناہ دینے والا
دل وجاں فیض رسانا	دل و جان کو فیض پہنچانے والا
وصی	وصیت کیا ہوا، نائب
اطہر	نہایت پاک
ناصیہ	پیشانی
بغیر از واجب	سوائے ذاتِ واجب یعنی اللہ تعالیٰ کے
شعلۂ شمع	شمع کی آئین بندی یا آرائش اس کا شعلہ ہی کرسکتا ہے
جوہر آئینۂ سنگ	ممدوح کے آئینے کا جوہر یا وہ قوت جس سے آئینے میں عکس دکھائی دیتا ہے
رقم بندگی	مراد حضرت جبریل کی جبیں سائی کے نشان
اسباب نثار آمادہ	وہ چیزیں جو نثار ہونے کے لیے آمادہ ہیں
کام	تالو، حلق، منہ
تسلیم	اطاعت
لوح وقلم	وہ تختی اور قلم جو عرش پر ہیں
بریں	بالا، اونچا
معاصی	گناہگاری
عرض	پیش کرنا
مطالب	مقاصد
گستاخ طلب	مانگنے میں بے ادب یا بیباک
از بسکہ	چونکہ
حسن قبول	دعا کی قبولیت کا حسن اور خوبی
اجابت	قبولیت

شبیر	حضرت حسین کا ایک نام
لبریز	بھرا ہوا
طبع	طبیعت
الفت	محبت
دُلدُل	حضرت علی کے ایک گھوڑے کا نام
اس سے قدم اور مجھ سے جبیں	اس کا قدم اور میری پیشانی
توحید فضا	جس کی فضا توحید ہو یعنی جو توحید سے معمور ہو
جلوہ پرست	خدایا ممدوح کے جلوے کی پرستار
نفسِ صدق گزیں	صداقت سے معمور سانس، مراد حق گوئی
صَرفِ اعدا	دشمنوں کے مصرف میں
دود	دھواں

9.10 کتب برائے مطالعہ

1۔	ڈاکٹر ابو محمد سحر (مرتب)	انتخاب قصائد اردو مع مقدمہ و حواشی	بھوپال: مکتبۂ ادب، 2012 (پانچواں ایڈیشن)
2۔	ڈاکٹر ابو محمد سحر	اردو میں قصیدہ نگاری	بھوپال: مکتبۂ ادب، 2012 (ساتواں ایڈیشن)
3۔	محمود الٰہی	اردو میں قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ	لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، 1995
4۔	ڈاکٹر ام ہانی اشرف	اردو قصیدہ نگاری	علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، 1995
5۔	پروفیسر ظفر احمد صدیقی	قصیدہ: اصل، ہیئت اور حدود	علی گڑھ: شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 2020
6۔	نور الحسن نقوی	تاریخ ادب اردو	علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، 2007

اکائی 10 خطوطِ غالب کی خصوصیات

ساخت

10.1 اغراض ومقاصد

10.2 تمہید

10.3 خطوط غالب کی خصوصیات

10.3.1 غالب کا مختصر تعارف

10.3.2 غالب کی خطوط نگاری

10.3.3 غالب کے خطوط کے متن اور اس کی تشریح وتوضیح

I- میر مہدی مجروح کے نام

II- یوسف مرزا کے نام

10.4 آپ نے کیا سیکھا

10.5 اپنا امتحان خود لیجیے

10.6 سوالات کے جوابات

10.7 فرہنگ

10.8 کتب برائے مطالعہ

10.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- غالب کی اردو خطوط نگاری کی اہمیت سے واقف ہوسکیں گے
- مرزا اسداللہ خاں کی زندگی کے حالات سے واقف ہوسکیں گے
- مرزا اسداللہ خاں غالب کے ادبی مرتبے کا تعین کرسکیں گے
- بحیثیت مکتوب نگار غالب سے متعارف ہوسکیں گے
- اردو خطوط نگاری میں جدّت کو جان سکیں گے
- غالب کے خطوط کے منتخبہ متن کو سمجھ سکیں گے

10.2 تمہید

اردو ادب کی تاریخ میں غالب کا شمار ایک عظیم شاعر اور جدید نثر کے معماروں میں ہوتا ہے۔ اس میں

شک نہیں کہ غالب کا شعری سرمایہ اپنے معیار اور فکر وفن کے اعتبار سے عالمی ادب کے کسی بھی بڑے شاعر کے مقابل رکھا جا سکتا ہے لیکن اردو نثر میں ان کے کارنامے کم قیمتی نہیں بلکہ بنیاد گزار ہیں۔ اردو خطوط نگاری کے نقوش اوّل رجب علی بیگ سرور کے یہاں یقیناً ملتے ضرور ہیں لیکن غالب کو اس کا باوا آدم تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ انھوں نے نثر کی طرف باقاعدگی کے ساتھ توجہ نہیں کی لیکن اپنے بے تکلف دوستوں کو لکھے خطوط میں جس لب ولہجہ کا استعمال کیا وہ اردو ادب میں بیش قیمتی اضافہ کا حامل بن گیا۔ اُن کے مکالماتی انداز نے اردو نثر میں تازگی و لطافت پیدا کر دی۔ روایتی القاب وآداب سے گریز کرتے ہوئے ڈرامائی اور فطری اندازِ تحریر اختیار کیا اس جدت نے نہ صرف اردو خطوط نویسی بلکہ اردو نثر کی تاریخ میں بھی غالب کی حیثیت ایک مجدد اور پیش رو کی متعین کر دیا۔ غالب کا یہ انداز انھیں سے شروع ہو کر انھیں پر ختم ہو گیا۔ بہتوں نے اس انداز کو اختیار کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔

اس اکائی کے تحت ہم صرف خطوط غالب کی خصوصیات پر غور وفکر کریں گے اور اُن کے منتخبہ خطوط کی تشریح وتوضیح کریں گے۔

10.3 خطوط غالب کی خصوصیات

10.3.1 غالب کا مختصر تعارف

غالب 1797ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے، ان کا نام اسد اللہ خاں تھا، مرزا نوشہ لقب اور نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ شاہی خطاب تھا، پہلے اسد تخلص تھا بعد میں غالب تخلص اختیار کیا، ان کا سلسلۂ نسب شاہ توران تک پہنچتا ہے، ان کے دادا شاہ عالم کے زمانے میں دہلی آئے جہاں انہیں انعام و اکرام سے نوازا گیا، غالب کے والد عبداللہ بیگ لکھنؤ اور حیدر آباد میں ملازمت کے سلسلے میں رہے، آخر میں الور آ کر راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت کی اور یہیں 1801ء میں کسی لڑائی میں مارے گئے، اس وقت غالب کی عمر صرف پانچ برس کی تھی، باپ کی موت کے بعد ان کے چچا نصر اللہ بیگ نے ان کی پرورش کی ذمہ داری قبول کی، چار سال بعد چچا کا بھی انتقال ہو گیا، اس وقت، مرزا صرف نو سال کے تھے، چچا صوبیدار تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کے ورثاء کی پنشن مقرر ہوئی، سات سو روپئے سالانہ مرزا کو بھی ملتا تھا، بہادر شاہ ظفر نے بھی پچاس روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا، 1857ء کے ہنگامہ کے بعد انگریزی سلطنت نے غالب کو باغی قرار دے کر ان کی پنشن بند کر دی، حالات سے مجبور ہو کر غالب رام پور چلے آئے، وہاں ایک سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر ہوا، کچھ دنوں بعد دہلی واپس آ گئے، تین سال بعد پنشن جاری ہو گئی، پھر آخر عمر تک دہلی ہی میں رہے۔ 73 برس کی عمر میں 1869ء میں وفات پائی اور درگاہ حضرت نظام الدین کے احاطے میں دفن کیے گئے۔

شاعری ہی کی طرح اردو نثر کے فروغ وارتقا میں غالب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، غالب کے خطوط اردو نثر کا قیمتی سرمایہ ہیں، ان کے خطوط سے جہاں اردو کے مکتوباتی ادب کو نئی جہت ملی وہیں

اردو زبان کو تکلف و تصنع سے پاک ایک سادہ و شگفتہ اسلوب نصیب ہوا، غالب نے یہ خطوط اپنے دوستوں، ساتھیوں اور شاگردوں کو لکھے ہیں۔ غالب دلآویز اور پر مزاح شخصیت کے مالک تھے، ان کی شگفتہ شخصیت کے نقوش ہمیں ان کے خطوط میں نظر آتے ہیں، بے تکلفی و برجستگی کا جو انداز ہمیں غالب کے یہاں ملتا ہے وہ مشکل ہی سے کہیں نظر آئے گا، غالب بڑے شوق سے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو خطوط لکھتے اور جواب کے منتظر رہتے، غالب کے یہ خطوط اردو زبان کے ارتقا میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غالب کی تصانیف میں ''دیوان غالب'' شامل ہے۔ غالب نے اس میں صرف اپنا منتخب کلام شائع کیا۔ ان کا پورا کلام ''نسخۂ حمیدیہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ غالب کی زندگی میں ان کے خطوط کا پہلا مجموعہ ''عود ہندی'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ ان کے انتقال سے صرف چار مہینے پہلے شائع ہوا۔ غالب خطوط کا دوسرا مجموعہ ''اردوئے معلیٰ'' کے نام سے شائع کرنا چاہتے تھے لیکن یہ ان کی زندگی میں شائع نہیں ہوا بلکہ ان کے انتقال کے 19 دن بعد شائع ہوا۔ بعد میں مختلف حضرات نے بڑی تحقیق کے ساتھ ان کے خطوط کے مجموعے شائع کیے۔ لیکن ان کے خطوط کا مکمل مجموعہ ڈاکٹر خلیق انجم نے چار جلدوں میں ''غالب کے خطوط'' کے نام سے شائع کیا۔ ''قاطع برہان'' کے مخالفوں کے جواب میں غالب نے ''لطائف غیبی''، ''تیغ تیز'' اور ''نامۂ غالب'' کے عنوان سے کتابیں شائع کیں۔ ان کی فارسی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

(۱) دیوان غالب (فارسی) (۲) دستنبو (۳) پنج آہنگ (۴) سبد چیں (۵) مہر نیم روز

غالب کا فارسی دیوان بہت ضخیم اور دس ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔

10.3.2 غالب کی خطوط نگاری

غالب کے خطوط اردو کی نثری تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان خطوط سے اردو نثر کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا، غالب سے پہلے کی نثر ردیف و قافیہ کی بے جا زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی، مسجع و مقفع عبارتوں سے تکلف کی بو آتی تھی۔ غالب نے روایت سے بغاوت کرتے ہوئے خالص اردوئے معلیٰ اور ٹکسالی زبان میں خطوط لکھے، مسجع و قافیہ کی پابندیوں سے آزاد ہو کر سادہ و شگفتہ لب و لہجہ اختیار کیا، ان کے بیان کی منفرد ظرافت اور شوخی طبع کی گل کاریوں سے اردو نثر کو وہ سادگی و پرکاری ملی جس سے اردو نثر اس وقت تک محروم تھی۔

ابتدا میں غالب فارسی زبان میں خط لکھا کرتے تھے لیکن بڑھاپے میں زیادہ محنت و کاوش نہ کر سکنے کی وجہ سے اردو میں خط لکھنا شروع کیا، غالب ایک جدت پسند ذہن کے مالک تھے، ان کا ذہن فرسودہ روایتوں اور پرانے طریقوں کو قبول کرنے پر کیسے آمادہ ہو سکتا تھا، انہوں نے اپنی راہ خود متعین کی اور خطوط نویسی میں بھی اپنی انفرادیت قائم رکھی، غالب کو اس بات کا احساس تھا کہ خط نصف ملاقات

اور باہمی گفتگو کا قائم مقام ہے۔ لہٰذا اس میں تکلف و تصنع کے بجائے سادگی و صفائی ہونی چاہئیے، چنانچہ انہوں نے القاب و آداب کے قدیم و فرسودہ طرز تحریر کو چھوڑ کر ایک صحت مند، دلکش، سادہ مگر شوخ انداز اختیار کیا اور خطوں کا ایک ایسا ذخیرہ چھوڑا جن میں قدم قدم پر آمد اور شان بے تکلفی جلوہ گر ہے، مراسلے کی نہیں بلکہ مکالمے کی کیفیت غالب ہے، میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں:

''اے جناب میرن صاحب السلام علیکم، حضرت آداب کہو، کہو صاحب اجازت ہے میر مہدی کے خط کا جواب لکھنے کو، حضور کیا میں منع کرتا ہوں، میں نے تو عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔نہیں میرن صاحب اس خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے، وہ خفا ہوا ہوگا، جواب لکھنا ضرور ہے۔''

غالب نے کس خوبی سے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے اور ہجر میں وصل کے مزے لوٹنے کی کیفیت پیدا کی ہے، اس انداز میں کتنی سادگی، بے تکلفی اور اپنائیت کی فضا ملتی ہے، اس خوشگوار فضا کو قائم رکھنے کی کوشش میں اکثر خطوط میں ڈرامائیت اور افسانوی رنگ پیدا ہو گیا ہے، وہ اپنے خطوط میں ضرور ایسی بات لکھتے ہیں جس سے مکتوب الیہ محظوظ ہو، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک دوست کو دسمبر 1858 میں ایک خط لکھا، دوست نے اس خط کا جواب جنوری 1859 کی پہلی یا دوسری تاریخ کو دیا، اس خط کے جواب میں غالب نے اپنے دوست کو لکھا:

''دیکھو صاحب! یہ باتیں ہم کو پسند نہیں کہ 1859ء کے خط کا جواب 1859ء میں بھیجتے ہو اور مزہ یہ ہے کہ جب کہا جائے گا تو کہو گے کہ میں نے تو دوسرے دن ہی جواب لکھ دیا تھا۔''

مکاتیب غالب کی ایک بہت بڑی خصوصیت ان کا طنز و مزاح سے رچا ہوا انداز ہے، یوں تو غالب کی خوش طبعی اور شوخی و ظرافت ان کی اردو اور فارسی شاعری میں بھی موجود ہے لیکن ان کی شخصیت کا یہ جوہر ان کے خطوط میں نسبتاً زیادہ وضاحت، سادگی اور بے ساختگی سے نمایاں ہوا ہے، بقول مولانا حالی ''وہ چیز جس نے ان کے خطوط کو ناول اور ڈراما کی طرح دلچسپ بنا دیا وہ شوخی تحریر ہے''، غالب نے اپنی شوخی و ظرافت سے اردو نثر کو خشکی سے بچا لیا، اردو میں اس سے پہلے اس قسم کی ظرافت ناپید تھی، غالب کی ظرافت کے سرچشمے ان کے درد و غم ہی سے پھوٹتے نظر آتے ہیں، ان کے خطوط میں پائی جانے والی شگفتگی کی تہہ میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کا گہرا احساس ہے۔ انہوں نے اپنی ظرافت سے زندگی کے رنج و غم کو ہموار کیا، وہ ہجوم غم میں بھی اپنا توازن نہیں کھوتے اور موضوع دردناک ہونے کے باوجود اپنے شگفتہ انداز بیان کو برقرار رکھتے ہیں، وہ منشی نبی بخش کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''بھائی صاحب! میں بھی تمہارا ہمدرد ہو گیا ہوں، یعنی منگل کے دن 18 ربیع الاول کو شام کے وقت

وہ میری پھوپھی کہ میں بچپن سے آج تک اس کو ماں سمجھا تھا اور وہ بھی مجھے بیٹا سمجھتی تھی مر گئی، آپ کو معلوم ہے کہ پرسوں گویا میرے نو آدمی مر گئے، تین پھوپھیاں اور تین چچا، ایک باپ اور ایک دادا اور ایک دادی یعنی اس مرحوم کے ہونے سے میں جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہیں اور اس کے مر جانے سے میں نے جانا کہ یہ نو آدمی ایک بار مر گئے۔''

اس طرح غالب کے خطوط میں ایسی گونا گوں خوبیاں جمع ہوگئی ہیں جن کی وجہ سے یہ خطوط اردو نثر کے شاہکار بن گئے ہیں۔ غالب کے بعد بہت سے ادیبوں نے ان کے رنگ کو اپنانے کی کوشش کی لیکن کوئی بھی ان کے مقام تک نہیں پہونچ سکا، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ غالب اپنے مزاج میں شگفتگی و ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ قوت مشاہدہ اور مراسلہ نگاری کے متعلق ایک خاص نگہ انتخاب رکھتے تھے اور شوخی و ظرافت اور دردمندی کا ایسا جذبہ رکھتے تھے جو کسی اور کے یہاں نظر نہیں آتا، اس طرح یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ مرزا غالب نہ صرف اپنی شاعری کی بنا پر بلکہ اپنی اردو نثر کی وجہ سے بھی دنیا کے چند بڑے ادیبوں کی صف میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔

10.3.3 غالب کے خطوط اور اس کی تشریح و تجزیہ

I- غالب کا خط میر مہدی مجروح کے نام

واہ حضرت!

کیا خط لکھا ہے؟ اس خرافات کے لکھنے کا فائدہ؟ بات اتنی ہی ہے کہ میرا پلنگ مجھ کو ملا، میرا بچھونا مجھ کو ملا، میرا حجام مجھ کو ملا، میرا بیت الخلا مجھ کو ملا، رات کا وہ شور، کوئی آئیو کوئی آئیو فرو ہو گیا، میری جان بچی، میرے آدمیوں کی جان بچی، اکنوں شب من شب است و روزم روز است۔

بھئی تم نے یہ نہ لکھا کہ میرن صاحب کو میرا خط پہنچایا نہ پہنچا، میں گمان کرتا ہوں کہ نہیں پہنچا، اگر پہنچا تو بے شک وہ تمہاری نظر سے گزرتا اور میرن صاحب اس کی اصل حقیقت تم سے پوچھتے اور اس صورت میں یہ بھی ضرور تھا کہ تم اس واہیات کے بدلے مجھ کو وہ روداد لکھتے جو میرن صاحب میں اور تم میں پیش آئی، پس اگر جیسا کہ میرا گمان ہے خط نہیں پہنچا، تو خیر جانے دو، اگر خط پہنچا ہے تو میرن صاحب کے خط کے جواب لکھوانے میں تم نے میرا ناک میں دم کر دیا تھا، اب ان سے میرے خط کے جواب کا تقاضا کیوں نہیں کرتے؟ حسن بھی کیا چیز ہے! نادر کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین آدمی کا ڈر ہوتا ہے، تم ان سے خواہش وصال کرتے ہوئے ڈرو، میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں نہیں کہتے؟ نہ صاحب، یہ کچھ بات نہیں، میرے خط کا جواب ان سے لکھوا کر بھجواؤ۔

یہاں کا وہ حال ہے جو دیکھ گئے ہو، پانی گرم، ہوا گرم، تپ مستولی، اناج مہنگا۔ بیچارہ منشی میر احمد حسین کا بھتیجا، میر امداد علی ''آشوب'' کا بیٹا محمد میر، شب گزشتہ کو گزر گیا، آج صبح اس کو دفن کر آئے، جوان صالح، پرہیزگار، مومنین کا پیش نماز تھا۔ اِنّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

''مجتہد العصر'' کا حکم بجالاؤں گا اور نہ رئیس کو بلکہ مدار المہام ریاست کو لکھوں گا، رئیس میرے سوال کا جواب قلم انداز کر جائے گا اور مدار المہام امر واقعی لکھ بھیجے گا۔ ''مجتہد العصر'' کو دعا کہنا اور یہ خط پڑھا دینا۔ میرن صاحب کو دعا اور کہنا کہ بھلا صاحب، تم نے ہمارے خط کو جواب نہیں لکھا، ہم بھی تمھاری طرز کا تتبع کریں گے۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا کہنا اور کہنا کہ اگر تم میں ان میں راہ و رسم تعزیت اور تہنیت ہو تو میر احمد حسین کو خط لکھو اور یہ بھی ان کو معلوم ہو کہ حفیظ یہاں آیا ہوا ہے، قبائل تمہارے یہیں ہیں، اگر وہاں کچھ رسائی حاصل ہو تو خیر ورنہ یہاں کیوں نہ چلے آؤ۔

میں بھولا نہیں تجھ کو، اے میری جان
کروں کیا کہ یاں گر رہے ہیں مکان

برسات کا حال نہ پوچھو، خدا کا قہر ہے، قاسم جان کی گلی سعادت خاں کی نہر ہے، میں جس مکان میں رہتا ہوں، عالم بیگ خاں کے کٹرہ کی طرف کا دروازہ گر گیا، مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے جو دروازہ تھا وہ گر گیا، سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں، صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے، چھتیں چھلنیاں ہو گئی ہیں، مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے، قلم دان سب توشہ دان میں، فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا، کہیں چلمچی دھری ہوئی، خط لکھوں کہاں بیٹھ کر؟ پانچ چار دن سے فرصت ہے، مالک مکان کو فکر مرمت ہے، آج ایک امن کی صورت نظر آئی، کہا کہ آؤ میر مہدی کے خط کا جواب لکھوں۔ الور کی ناخوشی، راہ کی محنت کشی، تپ کی حرارت، گرمی کی شرارت، یاس کا عالم، کثرت اندوہ و غم، حال کی فکر، مستقبل کا خیال، تباہی کا رنج، آوارگی کا ملال، جو کچھ کہو وہ کم ہے، بالفعل تمام عالم کا ایک سا عالم ہے۔ سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار ملے گا، ہاں ملے گا مگر وہ اختیار ایسا ہوگا جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے، سب کچھ اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا، آدمی کو بدنام کیا ہے۔ بارے رفعِ مرض کا حال لکھو، خدا کرے تپ جاتی رہی ہو، تندرستی حاصل ہو گئی ہو، میر صاحب کہتے ہیں:

تندرستی ہزار نعمت ہے۔

ہائے پیش مصرع مرزا قربان علی بیگ ''سالک'' نے کیا خوب بہم پہنچایا ہے! مجھ کو بہت پسند آیا ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالکؔ!
تندرستی ہزار نعمت ہے

''مجتہد العصر'' جناب میر سرفراز حسین صاحب کو دعا، آہاہاہا! میر افضل علی صاحب کہاں ہیں؟ حضرت یہاں تو اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہے، لکھنؤ کے ''مجتہد العصر'' کے بھائی کا نام میرن صاحب تھا، جے پور کے مجتہد العصر کے بھائی میرن صاحب کیوں نہ کہلائیں؟ ہاں بھائی میرن صاحب، بھلا ان کو ہماری دعا کہنا۔ صبح جمع 26 ستمبر 1862ء

خط کی تشریح و تجزیہ:

مراسلہ : خط و کتابت
مکالمہ : ایک دوسرے سے بات چیت کرنا
مدارالمہام: وزیراعظم
مستولی : غم، پریشانی
تتبع : تقلید، پیروی

غالب نے یہ خط میر مہدی مجروح کو 26 ستمبر 1862ء میں لکھا، مجروح غالب کے عزیز دوست اور شاگرد تھے، غالب کو مجروح بہت عزیز تھے، انہوں نے مجروح کو کئی خطوط لکھے ہیں، مجروح کو بھی غالب سے کافی لگاؤ تھا، وہ غالب کا پابندی سے جواب دیتے، اگر کبھی مجروح جواب دینے میں تاخیر کرتے یا خط میں خرافاتی باتیں لکھتے تو غالب محبت بھرے انداز میں انہیں ڈانٹتے اور اپنی خفگی کا اظہار کرتے۔

زیر بحث خط میں غالب مجروح کو خرافات لکھنے پر سرزنش کرتے ہوئے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہیں، اس کے بعد لوگوں کی پریشانی کا بڑے کرب انگیز انداز میں ذکر کرتے ہیں کہ لوگ اپنی جان بچانے کے لیے کس طرح لوگوں کو مدد کے لیے پکار رہے ہیں، اس پریشانی میں بھی انھیں اپنے دوست میرن صاحب کی یاد ستاتی ہے اور مجروح سے تاکید کرتے ہیں کہ وہ مہدی صاحب سے ان کے خط کا جواب ضرور لکھوائیں، پھر اپنی ظرافت اور خوش طبعی کا اظہار کرتے ہوئے مجروح کو میرن صاحب سے ملنے میں احتیاط کا مشورہ دیتے ہیں کہ حسن اور حسین لوگ نادر سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں جن کا وار کبھی خالی نہیں جاتا، غالباً اشارہ میرن صاحب کے حسن اور خوبصورت ہونے کی طرف ہے۔

غالب موضوع سخن بدلتے ہوئے دہلی کی سخت گرمی، موسم کی ناخوشگواری اور حد سے بڑھی ہوئی مہنگائی کا شکوہ کرتے ہیں، پھر وہ اپنے کسی دوست کے بیٹے محمد میر کی موت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے اس کی خوبیوں اور اچھائیوں کا ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد اپنے کسی کام کے پورا نہ ہونے پر مجتہد العصر اور رئیس کے خلاف بدگمانی کا اظہار کرتے ہیں اور اس معاملے میں اس امید کے ساتھ مدارالمہام کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ضرور کوئی تحریری کارروائی کرے گا۔

غالب الور کی تھکا دینے والی طویل مسافت، بخار کی کیفیت، موسم کی شدت اور اپنی اداسی کا ذکر کرتے ہوئے حال کی فکر، مستقبل کی پریشانی اور اپنے بے آسرا ہونے کے اندیشے کا ذکر بڑے کرب آمیز انداز میں کرتے ہیں، پھر اپنے دل کو تسلّی دینے کی غرض سے مہاراجہ کو نومبر میں اختیار ملنے کی اطلاع ملنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں، پھر اس خیال سے خوشی کافور ہو جاتی ہے کہ مہاراجہ کو ملنے والا اختیار ویسا ہی ہے جیسے بندوں کو حاصل ہے کہ سارے اختیارات خدا کے ہاتھ میں ہیں،

بندوں کے خود مختار ہونے کا ڈھنڈورہ بلا وجہ پیٹا جاتا ہے۔

آخر میں بخار سے چھٹکارا پانے کے لیے مجروح سے کوئی نسخہ یا تدبیر دریافت کرتے ہیں، اس ضمن میں میر صاحب کے مصرع ؎ تندرستی ہزار نعمت ہے پر مرزا سالک کے مصرعہ اول کو جوڑ کر مصرع کی معنی خیزی میں اضافہ کر دیتے ہیں:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالکؔ
تندرستی ہزار نعمت ہے

خط کے خاتمہ پر سید سرفراز حسین کو دعا لکھتے ہیں اور میر افضل علی صاحب کے بارے میں دریافت کرتے ہیں اور دلّی میں اس نام کے کسی شخص کے نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

میر مہدی مجروح کو لکھے گئے غالب کے اس خط کے تجزیہ سے اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ غالب کی خطوط نگاری کا جائزہ لیتے ہوئے غالب کی جس خوش طبعی وظرافت، مراسلے کو مکالمہ بنانے کے انداز، ڈرامائی کیفیت اور غم ذات وغم زمانہ کی ہم آمیزی کا ذکر کیا گیا تھا وہ تمام باتیں اس خط میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

II- یوسف مرزا صاحب کے نام

یوسف مرزا کیوں کر تجھ کو لکھوں کہ تیرا باپ مر گیا اور اگر لکھوں تو پھر آگے کیا لکھوں کہ اب کیا کرو۔ مگر صبر۔ یہ ایک شیوہ فرسودہ ابنائے روزگار ہے۔ تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں کہ صبر کرو۔ ہائے ایک کا کلیجہ کٹ گیا ہے اور لوگ اسے کہتے ہیں کہ تو نہ تڑپ۔ بھلا کیوں کر نہ تڑپے گا صلاح اس امر میں نہیں بتائی جاتی دعا کو دخل نہیں۔ دوا کا لگاؤ نہیں۔ پہلے بیٹا مرا پھر باپ مرا۔ مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ بے سروپا کس کو کہتے ہیں تو میں کہوں گا یوسف مرزا کو۔ تمہاری دادی لکھتی ہیں کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا، یہ بات سچ ہے۔ اگر سچ ہے تو جواں مرد ایک بار

دونوں قیدوں سے چھوٹ گیا۔ نہ قید حیات رہی۔ نہ قید فرہنگ۔ ہاں صاحب وہ لکھتے ہیں کہ پنشن کا روپیہ مل گیا تھا وہ تجہیز وتکفین کے کام آیا۔ یہ کیا بات ہے جو مجرم ہو کر 14 برس کو مقید ہوا ہو اس کی پنشن کیوں کر ملے گی اور کس کی درخواست سے ملے گی۔ رسید کس سے لی جائے گی۔ مصطفٰے خاں کی رہائی کا حکم ہوا مگر پنشن ضبط۔ ہر چند اس پرسش سے کچھ حاصل نہیں لیکن بہت عجیب بات ہے تمہارے خیال میں جو کچھ آئے وہ مجھ کو لکھو۔ دوسرا امر یعنی تبدیل مذہب عیاذاً باللہ۔ علیؑ کا غلام کبھی مرتد نہ ہوگا۔ ہاں یہ ٹھیک کہ حضرت چالاک اور سخن ساز اور ظریف تھے سو نچے ہوں گے کہ ان داموں میں اپنا کام نکالو اور رہا ہو جاؤ، عقیدہ کب بدلتا ہے۔ اگر یہ بھی تھا تو ان کا گمان غلط تھا۔ اس طرح رہائی ممکن نہیں قصہ مختصر تمہاری دادی کا خط جو تمہارے بھائی نے مجھ کو بھیجا تھا وہ میں نے تمہارے ماموں کے پاس بھیج دیا۔ ان کی جائداد کی واگذاشت کا حکم ہو تو گیا ہے۔ اگر ان کے

بڑے بھائی کے یاران کر چھوڑیں۔ دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے۔ مظفر مرزا کو دعا پہنچے۔ تمہارا خط جواب طلب نہ تھا۔

غالبؔ۔ مرقومہ شنبہ 27 شوال، 19 مئی سال حال

خط کی تشریح و تجزیہ:

شیوہ : طریقہ

فرسودہ : گھسا ہوا، پرانا، روایتی

عقیدہ : اعتماد

تعزیت : پرسہ، ماتم

مذکورہ خط مرقومہ شنبہ 27 رشوال، 19 مئی سال حال کو یوسف مرزا کے نام لکھا گیا غالب کا خط ہے۔ جب غالب کو معلوم ہوا کہ یوسف مرزا کے والد کا انتقال ہو گیا تو غالب کا انداز تعزیت دیکھئے کس قدر ندرت آمیز ہے۔ کہتے ہیں کہ میں یہ خبر سُن کر کس طرح تم کو جواب تحریر کروں۔ حیران ہوں کہ لکھوں صبر کرو کیونکہ قدیم روایت چلی آ رہی ہے لوگ مرنے والے کے گھر کے لوگوں کو بطور تعزیت جب ملتے ہیں تو صبر کرنے کی ہی تلقین کرتے ہیں۔ یہ پُرانا طریقہ ضرور ہے مگر غالب اُس کا استعمال نہیں کرنا چاہتے کیوں کہ جس وقت کسی کے جسم کا ایک ٹکڑا کٹ گیا ہو اس سے یہ کہنا کہ وہ نہ روئے، نہ گریہ وزاری کرے، نہ تڑپے جب درد ہوگا انسان ضرور تڑپے گا ایسی صلاح غالب نہیں دینا چاہتے یہ جانتے ہوئے کہ اب نہ تو اس کی دوا ہے نہ کوئی نیک مشورہ پہلے یوسف مرزا کا بیٹا دار فانی سے کوچ کر گیا پھر باپ۔ بھلا بے سر و پا کس کو کہتے ہیں شاید یوسف مرزا اس کی عمدہ مثال ہیں کیونکہ بیٹا باپ کا بازو، باپ کی طاقت ہوتا ہے وہ بھی نہ رہا اور دعائیں دینے والا ہاتھ، باپ کا سایہ بھی اٹھ گیا آگے۔ غالب تسلّی آمیز گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہارے باپ جو انگریزوں کی قید میں تھے، انگریزوں نے چند روز قبل ہی اُن کی رہائی کا حکم دیا اور ابھی نکلے بھی نہ تھے کہ قید حیات سے بھی فرار حاصل ہو گیا۔ میرے خیال میں تو اُن کے لئے اچھا ہوا دونوں طرح کی قید سے نجات مل گئی۔ پنشن کے روپیوں سے اُن کی تدفین بھی ہو گئی لیکن اسی لمحہ غالب کی شوخی و ظرافت بھی گفتگو میں شامل ہو جاتی ہے اور حیران کُن انداز میں کہتے ہیں کہ جو مجرم 14 سال تک انگریزوں کی قید میں رہا اسے پنشن کیسے مل گئی؟ کس کی عرضی پر ملی؟ اور جب وہ مر گئے تو رسید کس سے طلب کی جائے گی؟ کیونکہ ایسا میں نے پہلے نہیں سنا۔ بڑی عجیب بات لگتی ہے تمہارے سمجھ میں اگر آئے تو مجھے بھی اس کی وضاحت کرنا۔ ایک اور خبر گرم ہے کہ تمہارے والد نے مذہب تبدیل کر لیا تھا اس لئے انگریزوں نے اُن کو رہا کر دیا۔ یہ بات میرے حلق سے نہیں اترتی کیونکہ انسان کا عقیدہ یعنی اعتقاد بڑی مشکل سے بدلتا ہے بلکہ بدلنا ممکن نہیں لگتا لیکن تمہارے والد مرحوم بڑے ہوشیار تھے۔ ہو سکتا ہے رہائی کے لئے زبانی طور پر مذہب تبدیل کی بات قبول کر لی ہو تا کہ کسی طرح انگریزوں کی قید سے رہائی حاصل ہو جائے۔ اگر ایسا تھا تو کچھ غلط نہیں! مختصراً یہ کہ تمہاری دادی کا خط مجھے تمہارے بھائی نے بھیجا تھا

میں نے اسے تمہارے ماموں تک پہونچا دیا ہے۔اُن جائداد وغیرہ کے مسائل پر حکم تو جاری ہوا اگر اُن کے بڑے بھائی کے دوست اُن کو بخش دیں۔ دیکھئے کیا نتیجہ سامنے آتا ہے۔مظفر مرزا کو دعا کہئے گا۔

10.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ

- بحیثیت مکتوب نگار غالب سے متعارف ہوئے۔
- غالب کی خطوط نگاری کی خصوصیات سے واقف ہوئے۔
- غالب کے منتخبہ خطوط کا مع تشریح وتوضیح مطالعہ کیا۔
- غالب کے نثری اسلوب کی خصوصیات پر نظر ڈالی۔

10.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1- ''غالب نے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا'' اس جملے سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

2- خطوط غالب کی نمایاں خصوصیات مختصراً تحریر کیجیے۔

3- اردو نثر کے ارتقا میں خطوط غالب کا کیا رول ہے؟

4- غالب کی نثری تصانیف کا ذکر کیجیے۔

5- غالب کہاں اور کب پیدا ہوئے؟ کب اور کہاں وفات پائی؟

10.6 سوالات کے جوابات

1- خط جوار سال کرنے کا طریقۂ کار تھا غالب نے اسے مکالمہ یعنی بات چیت کے انداز میں تبدیل طریقۂ کار بنا دیا۔اب خط میں ہی ہزار میل دور رہ کر بھی قلم کی زبان میں بے تکلفانہ بات چیت سے جدائی کے درد کو مٹائے جانے کا تصور کیا جا سکتا ہے ایسی گفتگو گویا مخاطب سامنے بیٹھا ہے اور باتیں ہو رہی ہیں اسی طرز تحریر کے متعلق غالب نے کہا کہ ''میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔''

2۔ خطوط غالب کی نمایاں خوبی القاب وآداب سے گریز، آسان عام فہم بے تکلف نثر، مراسلہ کو مکالمہ کا رنگ عطا ہونا، شوخی وظرافت کا پایا جانا نیز غالب کے سیاسی، معاشی، اقتصادی ومعاشرتی حالات اور غالب کی حالات زندگی کا مستند دستاویز بھی ہمیں دستیاب ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے خطوط غالب اردو ادب میں سنگ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔

3- اردو نثر میں خطوط غالب کا بڑا اہم رول رہا۔ مقفع، مسجع نثر سے آزادی ملی، عام فہم سلیس اردو نثر کا آغاز ہوا، خطوط نگاری کی صنف کی اہمیت دوبالا ہوئی اور شوخی وظرافت بھی نثر کا اہم پہلو قرار پائی۔

4- غالب کی نثری تصانیف دستنبو، پنج آہنگ، سبد چیں، مہر نیم روز وغیرہ ہیں۔

5- غالب 1797ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ 1869ء میں دہلی میں وفات پائی۔

10.7 فرہنگ

الفاظ	معنی
مراسلہ	خط وکتابت
مکالمہ	ایک دوسرے سے بات چیت کرنا
مدارالمہام	وزیراعظم
مستولی	غم، پریشانی
خلق	مخلوق
تتبع	تقلید، پیروی
اردوئے معلیٰ	فصیح اور مستند اردو
ٹکسالی	کھرا، نپا تلا
توشہ دان	وہ برتن جس میں سفر کی خوراک رکھتے ہیں
سرزنش	برا بھلا کہنا
کسمپرسی	بری حالت
مخدوش	خراب
کرب انگیز	دکھ بھرے
بدرجۂ اتم	پوری طرح
انحراف	ہٹنا
استفادہ	فائدہ حاصل کرنا
درنگ	دیر، تاخیر
مہتمم مطبع	منتظم طباعت، چھاپہ خانے کا نگراں

منہائی	لگان، محصول، ٹیکس
طلائی لوح	سنہری تختی
شیوہ	طریقہ
فرسودہ	گھسا ہوا، پرانا، روایتی
قیدِ حیات	زندگی کی مدّت
تجہیز و تکفین	کفن دفن
عقیدہ	اعتماد

10.8 کتب برائے مطالعہ

1۔	غالب کے خطوط (جلد اوّل)	مرتب: ڈاکٹر خلیق انجم	غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی
2۔	اردو نثر کا فنی ارتقا	فرمان فتح پوری	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
3۔	غیر افسانوی اردو	ڈاکٹر عطیہ رئیس	ایم۔آر، پبلی کیشنز، نئی دہلی
4۔	اردو نثر کا ارتقا	عابدہ بیگم	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
5۔	غالب کے خطوط	باہتمام سید توسل حسین	انوار بک ڈپو، لکھنؤ، یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنؤ
6۔	یادگار غالب	الطاف حسین حالی مرتب: صالحہ عابد حسین	انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

اکائی نمبر 11 خطوط غالبؔ: متن کی تدریس

ساخت

11.1 اغراض ومقاصد

11.2 تمہید

11.3 خطوط غالب

11.4 غالب کی مکتوب نگاری کی خصوصیات

11.5 خطوط غالب متن کی تدریس

11.6 آپ نے کیا سیکھا

11.7 اپنا امتحان خود لیجیے

11.8 سوالات کے جواب

11.9 فرہنگ

11.10 کتب برائے مطالعہ

11.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی جائے گی کہ

- خطوط غالبؔ کی اہمیت وافادیت کیا ہے؟
- خطوط غالبؔ کی خاصیت کی ہے؟
- خطوط غالبؔ کا اسلوب کیا ہے؟
- غالبؔ سے قبل اردو نثر کا طرز اسلوب کیا تھا؟
- خطوط غالب میں زندگی کی کون کون سی اہم معلومات ملتی ہیں؟
- غالبؔ نے اپنے خطوط میں روزمرہ محاوروں، کہاوتوں، تشبیہوں اور استعاروں کا کس حد تک استعمال کیا ہے؟

11.2 تمہید

ادبی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخر تک اردو نثر کے مجموعی سرمائے میں چند داستانیں اور چند مذہبی رسائل ہی موجود تھے۔ فورٹ ولیم کالج نے تراجم اور دیگر قصے کہانیوں کی طرف توجہ دے کر ایک نثری ماحول تو ضرور تخلیق کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ خطوط غالبؔ سے قبل صرف داستانیں ہی اپنا وجود رکھتی ہیں۔

غالبؔ نے جب اردو خطوط نگاری کا آغاز کیا، اس وقت اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اُن کے دواوین شائع ہو چکے تھے اور وہ ایک مستند اردو اور فارسی شاعر کی حیثیت سے تسلیم کیے جا چکے تھے۔ خطوط غالبؔ سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ غالبؔ اگر شاعری نہ بھی کرتے تو بھی اپنے خطوط کی بنا پر اپنی ایک الگ شناخت کے حامل ہوتے جو آج انہیں نصیب ہے۔

11.3 خطوط غالب

شاعری ہی کی طرح اردو نثر کے فروغ و ارتقا میں غالب کی خدمات نا قابل فراموش ہیں، غالب کے خطوط اردو نثر کا قیمتی سرمایہ ہیں، ان کے خطوط سے جہاں اردو کے مکتوباتی ادب کو نئی جہت ملی وہیں اردو زبان کو تکلف و تصنع سے پاک ایک سادہ و شگفتہ اسلوب نصیب ہوا، غالب نے یہ خطوط اپنے دوستوں، ساتھیوں اور شاگردوں کو لکھے ہیں۔ غالب دلآویز اور پر مزاح شخصیت کے مالک تھے، ان کی شگفتہ شخصیت کے نقوش ہمیں ان کے خطوط میں نظر آتے ہیں، بے تکلفی و برجستگی کا جو انداز ہمیں غالب کے یہاں ملتا ہے وہ مشکل ہی سے کہیں نظر آئے گا، غالب بڑے شوق سے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو خطوط لکھتے اور جواب کے منتظر رہتے، غالب کے یہ خطوط اردو زبان کے ارتقا میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

11.4 غالبؔ کی مکتوب نگاری کی خصوصیات

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ نے ویسے تو بحیثیت شاعر اپنا لوہا منوایا۔ فارسی اور اردو کے حلقوں میں اکثر انہیں اسی روپ میں جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ لیکن غالب کی شخصیت کا ایک اور پہلو ان کی خوبصورت نثر سے واضح ہوتا ہے۔ گرچہ انہوں نے فارسی نثر لکھی لیکن اردو میں ان کی جانب سے لکھے گئے خطوط اس کی بہترین مثال ہیں۔ غالبؔ نے اردو خطوط کا سلسلہ 1848ء کے آس پاس شروع کیا۔ ان کے اردو خطوط کے دو مجموعے شائع ہوئے۔ ایک ''عود ہندی'' دوسرا ''اردو معلیٰ''۔ منشی شیو نارائن آرام نے ''عود ہندی'' کے خطوط کو مرتب اور شائع کرنے کی اجازت مانگی تو مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے پہلے صاف منع کر دیا۔ بعد میں مرزا دوستوں کے اصرار پر راضی ہو گئے۔ ادھر جب کچھ نامعلوم وجوہات کی بنا پر عود ہندی کی اشاعت میں دیری ہونے لگی تو دہلی میں غالبؔ کے چاہنے والوں نے ''اردو معلیٰ'' کے نام سے ان کے خطوط کا نیا مجموعہ شائع کرنے کا فیصلہ لیا۔ اس مجموعے کی اشاعت غالب کی وفات کے بعد ہوئی۔ متذکرہ مجموعے کا دیباچہ میر مہدی مجروح اور خاتمہ میرزا قربان علی بیگ سالک نے تحریر کیا۔ اس کے علاوہ غالبؔ کے خطوط کے کچھ متفرق مجموعے بھی شائع ہوئے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ **نادر خطوط غالب:۔** مولوی کرامت علی ہمدانی، صفیر بلگرامی اور صوفی منیری کے نام لکھے گئے خطوط اس مجموعے میں شامل ہیں۔

2۔ **مکاتیب غالب:۔** والیان ریاست رام پور کے نام بھیجے گئے خطوط اس مجموعہ کے نام سے شائع ہوئے۔

3۔ **نادرات غالب:۔** یہ بنی بخش حقیر کے نام بھیجے گئے 74 خطوط کا مجموعہ ہے۔اس مجموعے میں صرف پہلا خط فارسی کا ہے۔باقی سب اردو خطوط ہیں۔

خطوط غالب سے پہلے اردو نثر میں دو قسم کے اسلوب رائج تھے۔

1۔ ایک سادہ اور عام فہم اسلوب جس کی مثال میں فورٹ ولیم کالج کے زیر اثر شائع ہونے والی کتابیں پیش کی جاتی ہیں۔ایسی کتابوں میں میر حسن کی باغ و بہار اپنے سلیس اور رواں اسلوب کی وجہ سے سرفہرست ہے۔

2۔ دوسرا اردو کا مقفی اور مسجع اسلوب رائج تھا۔اکثر اہل قلم کے نزدیک عالمانہ انداز تحریر یہی مانا جاتا تھا۔یعنی معمولی باتوں کو استعاراتی یا تمثیلی انداز میں پیش کرنا۔رجب علی بیگ کا فسانہ عجائب والا مشکل، مقفی اور مسجع اسلوب اس کی بہترین مثال ہے۔فسانہ عجائب میں رجب علی بیگ سرور نے باغ و بہار پر بات کرتے ہوئے میر حسن پر سخت بھپکیاں کسی ہیں۔ایک جگہ کہتے ہیں کہ میر حسن نے دلی کے محاوروں کے ہاتھ پاؤں توڑے ہیں۔بہر حال غالب نے اپنے خطوط میں ایک نیا نثری طرز ایجاد کیا۔انہوں نے روایتی القاب کے استعمال سے منہ موڑا۔سیدھے سادھے انداز میں مطلب کی بات کہہ کر وہ اپنے خط کو مکمل کرتے ہیں اور پھر مکتوب الیہ کو ارسال کر دیتے ہیں۔ان کے خطوط کو پڑھتے ہوئے یہ گمان گزرتا ہے کہ وہ کسی کو خط نہیں لکھ رہے بلکہ سامنے بیٹھے ہوئے بات کر رہے ہیں۔اسی خصوصیت کی بنا پر انہوں نے کہا کہ میں نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔یعنی میرے خطوط پڑھتے ہوئے ہر شخص کو یہ گمان گزرتا ہوگا کہ میں مکتوب الیہ (جس کو خط لکھا جا رہا ہو) کو سامنے بٹھا کر بات چیت کر رہا ہوں۔اس کے علاوہ غالب نے اپنے خطوط میں زندگی اور دہلی کے نجی حالات کو بھی رقم کیا ہے۔ان حالات کو رقم کرنے کے موجب ہی ان کے خطوط کی تاریخی اہمیت بھی بڑھ جاتی ہے۔وہ اپنے ہر خط کے اختتام پر تاریخ بھی رقم کرتے تھے۔جس سے خط کے زمانے کے تعین بآسانی ہوسکتا ہے۔طنز و ظرافت اور حقیقت بیانی بھی غالبؔ کے خطوط کی ایک اہم خصوصیت ہے۔مقفی و مسجع عبارتیں، سہل پسندی، اختصار، جدت طرازی، منظر کشی، جزئیات نگاری، اور ان کے اشعار کی تشریح وغیرہ غالبؔ کے خطوط کی اہم خصوصیات ہیں۔

11.5 خطوط غالب متن کی تدریس

غالبؔ کے حوالے سے جو معلومات ہماری رسائی سے باہر ہیں وہ ہمیں ان کے خطوط سے مل جاتی ہیں اور غالبؔ کے خطوں نے ہمیں بہت سی الجھنوں سے بچا لیا ہے۔ یہ حق ہے کہ غالبؔ کی ابتدائی شاعری میں مشکل پسندی زیادہ تھی۔غالبؔ نے اپنے خطوط کے ذریعے اپنی شاعری کی تشریح و توضیح

کی اور ان اشعار کا انکار کیا جو غالبؔ کے نام سے منسوب کئے گئے تھے۔ بطور نمونہ چند اقتباسات پیش ہیں:

''پچاس برس کی بات ہے کہ الٰہی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین نئی نکالی میں حسب الحکم غزل لکھی بیت الغزل یہ

پلادے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے ، شراب تو دے

مقطع یہ ہے۔

اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب دے

اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چار شعر کسی نے لکھ کر اس مقطع اور اس بیت الغزل کو شامل ان اشعار میں کر کے غزل بنائی ہے اور اس کو لوگ گاتے پھرتے ہیں۔ مقطع اور ایک شعر میرا اور پانچ شعر کسی اُلو کے۔''

اسی طرح کے ایک اور واقعہ کو غالب اپنے خط میں بیان کیا ہے:

''خاشا، ثم حاشا! اگر یہ غزل میری ہو مصرع اسد اور لینے کے دینے پڑے'' اس غریب کو می کچھ کیوں کہوں، لیکن اگر یہ غزل میری ہو تو مجھ پر ہزار لعنت۔ اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا کہ قبلہ آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے۔

اسدؔ اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش ! رحمت خدا کی

میں نے یہی ان سے کہا تھا کہ اگر یہ مقطع میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ بات یہ ہے کہ ایک شخص میرا مانی اسدؔ ہو گزرے ہیں یہ غزل ان کے کلام معجز نظام سے ہے اور تذکروں میں مرقوم ہے۔۔۔۔ تم طرز تحریر اور روش فکر پر بھی نظر نہیں کرتے۔

قاضی عبدالجمیل جنونؔ کے نام ایک خط میں ایک شعر کی تشریح یوں کرتے ہیں:

حسن اور اس پہ حسن ظن، رہ گئی بوالہوس کی شرم
اپنے پہ اعتماد ہے ، غیر کو آزمائے کیوں

مولوی صاحب ! کیا لطیف معنی ہیں، داد دینا۔ حسنِ عارض اور حسنِ ظن دو

صفتیں محبوب میں جمع ہیں، یعنی صورت اچھی ہے اور گمان اس کا صحیح ہے۔ کبھی خطا نہیں کرتا، اور یہ گمان اس کو نہ نسبت اپنے ہے کہ میرا مارا کبھی نہیں بچتا، اور میرا تیر غمزہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ پس جب اس کو اپنے اوپر ایسا بھروسا ہے تو رقیب کا امتحان کیوں کرے؟ اور حسن ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کھایا تھا۔ رقیب عاشق صادق نہ تھا ہوس ناک آدمی تھا۔ اگر پائے امتحان درمیان آتا، تو حقیقت کھل جاتی۔

غالبؔ کے خطوط کی بنیادی اور اہم خصوصیت ان کے اشعار کی تشریح ہے۔ غالبؔ اپنے خطوط کے ذریعہ لوگوں کے اس اصرار کو پورا کر کے ان تک مشکل اشعار کی تشریح پہنچاتے تھے۔

خطوط غالبؔ کی دوسری اہم خاصیت القاب کا خاتمہ ہے۔ غالبؔ نے اپنے خطوط میں مکتوب الیہ کو القاب سے کبھی نہیں نوازا نہ ہی القابات کے ذریعہ وہ اس سے مخاطب ہوتے ہیں۔ انہوں نے سیدھے اور صاف انداز میں اپنے خطوط کا آغاز کیا ہے۔ جیسے یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے، خط تمہارا بہت دن کے بعد پہونچا، جی خوش ہوا، مسودہ بعد اس اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا، اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا، لازمہ سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو، کیوں سچ کہیو! اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی؟ ہائے کیا اچھا شیوہ ہے، خانہ بے چراغ ہے، چراغ بے نور ہے، ہم جانتے ہیں تم زندہ ہو، تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں، چاہ بے آب ہے ابر بے باراں ہے، امر ضروری کو لکھدیا۔ اس تحریر سے اتنا ضرور معلوم ہوگیا کہ مرزا غالبؔ اس طرز جدی کے موجد اور مخترع تھے۔ انھوں نے نہ صرف قدیم وفرسودہ طریق القاب وآداب اور خطوط میں معمولی باتوں کو یک قلم ترک کیا بلکہ تحریر میں سلاست و بے تکلفی کے علاوہ عجیب شگفتگی، دلآویزی اور شوخی وظرافت پیدا کی جس سے یہ طرز انھیں کے لئے مخصوص ہوگیا۔

مولانا الطاف حسین حالی کے الفاظ میں ''مرزا سے پہلے کسی نے خط کتابت کا یہ انداز نہ اختیار کیا اور نہ ان کے بعد کسی سے اس کی پوری پوری تقلید ہوئی''۔ مثال کے طور پر غالبؔ کے یہ خطوط دیکھیے۔

''تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو بوئے پیراہن نے یعقوب کے ساتھ کیا تھا، میاں یہ ہم تم بوڑھے ہیں، یا جوان ہیں، یا ناتواں ہیں بڑے پیش قیمت ہیں یعنی بہرحال غنیمت ہیں کوئی جلا بھنا کہتا ہے

یاد گار زمانہ ہیں ہم لوگ
یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالا خانہ ہے اور وہی میں ہوں سیڑھیوں پر نظر ہے کہ وہ

میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے وہ یوسف مرزا آئے
وہ یوسف علی خاں آئے مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا، بچھڑے
ہوؤں میں سے کچھ گنے نہیں اللہ اللہ ہزراوں کا میں ماتم دار
ہوں، میں مروں گا تو مجھ کو کون روئے گا۔۔۔۔۔''

خداوند نعمت! سلامت

جو آپ بن مانگے دیں، اُس کے لینے میں مجھے انکار نہیں، اور جب
مجھ کو حاجت آپڑے، تو آپ سے مانگنے میں عار نہیں۔
بار گرانِ غم سے پست ہو گیا ہوں۔ آگے تنگ دست تھا، اب تہی دست
ہو گیا ہوں۔ جلد میری خبر لیجئے اور کچھ بھجوا دیجیے۔
چہار شنبہ، یازدہم ربیع الثانی سنہ 1275ھ، 17 نومبر سنہ 1858ء۔
عنایت کا طالب، غالب

یا مرزا تفتہ نے خط کا جواب لکھنے میں دیر کر دی تو غالبؔ اپنی ناراضگی کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

''کیوں صاحب، کیا یہ آئین جاری ہوا ہے کہ سکندر آباد کے رہنے والے دلی
کے خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں؟۔ اگر یہ حکم ہوا ہوتا تو یہاں بھی اشتہار ہو
جاتا، کہ زنہار کوئی خط سکندر آباد کی ڈاک میں نہ جائے''۔

میر مہدی مجروح کے نام ایک خط کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

''او میاں سید زادہ آزادہ، دلی کے عاشق دلدادہ، ڈہے ہوئے اردو بازار کے رہنے
والے، حسد سے لکھنو کو برا کہنے والے، نہ دل میں مہر و آرزم، نہ آنکھ میں حیا و شرم''

غالبؔ نے پرانے طرز کے بے مزہ مقفیٰ مسجع فقرے جو قدیم نثر نگاروں کی شان تھے ترک کر کے عبارت میں جو دل آویزی اور بے تکلفی پیدا کی وہ صرف ان کے اصل خطوط پڑھنے سے ہی سمجھ میں آسکتی ہے۔ اسی بے تکلفانہ اور سادہ انداز نے ان کے خطوط کو مشہور کیا اور ان کا یہی اسلوب آگے چل کر جدید اردو نثر کے فروغ میں سنگ میل قرار پایا۔

غالب کے خطوط کی تیسری خاصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے مکالماتی انداز اختیار کیا۔ ان کے خطوط کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے بات چیت کر رہے ہوں۔ خط کو آدھی ملاقات کہا جاتا ہے۔ غالب کے خطوط کا مطالعہ کرتے وقت یہ مفروضہ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ یہاں تو پوری ملاقات کا سماں بندھتا نظر آتا ہے۔ غالب نے خود کہا ہے کہ میں نے خط لکھنے کا نیا طرز ایجاد کیا یعنی مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا۔ مثلاً میرزا حاتم علی بیگ کو لکھتے ہیں۔

''میرزا صاحب میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا
ہے۔ ہزار کوس سے بزبان باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو''۔

یا

''بھائی تم میں مجھ میں نامہ نگاری کا ہے کو ہے۔ مکالمہ ہے''۔

مرزا کے اس انداز کو مزید سمجھنے کے لئے ان کا ایک پورا خط یہاں بطور مثال پیش ہے۔ منشی نبی بخش حقیر کے نام لکھتے ہیں:

''بھائی صاحب کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ کا ہاتھرس سے کول آجانا ہم کو معلوم ہو گیا تھا۔ ہمارا ایک واقعہ نگار اس ضلع میں رہتا ہے۔ حق تعلیٰ اس کو جیتا رکھے۔ گرمی کا حال کیا پوچھتے ہو، اس ساٹھ برس میں یہ لو اور یہ دھوپ اور یہ تپش نہیں دیکھی۔ چھٹی ساتویں رمضان کو مینہ خوب برسا۔ ایسا مینہ، جیٹھ کے مہینے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اب مینہ کھل گیا ہے۔ ابر گھرا رہتا ہے۔ ہوا اگر چلتی ہے تو گرم نہیں ہوتی اور اگر رک جاتی ہے تو قیامت آتی ہے۔ دھوپ بہت تیز ہے۔ روزہ رکھتا ہوں مگر روزے کو بہلائے رہتا ہوں۔ کبھی پانی پی لیا، کبھی حقہ پی لیا، کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کا کھا لیا۔ یہاں کے لوگ عجب فہم اور طرفہ روش ہیں۔ میں تو روزہ بہلاتا رہتا ہوں اور یہ صاحب فرماتے ہیں کہ تو روزہ نہیں رکھتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بہلانا اور بات ہے۔ جے پور کا حال آپ کو منشی صاحب کے اظہار سے یا ان کے نام کے خطوط دیکھ کر معلوم ہو گیا ہے۔ مکرر کیوں لکھوں۔ خیر غنیمت ہے۔ یہ کیا فرض تھا کہ ہم جو چاہتے وہی ہوتا۔''

غالبؔ کے خطوط کی جو تھی خصوصیت جس کی بنیاد پر مولانا الطاف حسین حالیؔ نے انہیں حیوان ظریف کہا۔ غالبؔ نے طنز و مزاح میں جدت سے کام لیا ہے۔ ان کا مذاق عام مذاق نہ ہو کر علمیت سے مملو ہوتا ہے۔ غالبؔ کی زندگی کیونکہ غم و آلام کا منبع تھی۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنے اشعار میں اکثر کیا ہے۔ لیکن خطوط میں غالبؔ جہاں ایسی باتوں کا ذکر کرتے ہیں فوراً رجوع کر لیتے ہیں اور پھر اپنا مزاق خود ہی اڑانے لگ جاتے تھے۔ مثلاً ان کے ایک خط کا یہ اقتباس:

''یہاں خدا سے بھی توقع نہیں، مخلوق کا کیا ذکر، کچھ بن نہیں آتی۔ اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں۔ رنج و ذلت سے خوش ہوتا ہوں۔ یعنی میں نے اپنے کو اپنا گیر تصور کیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے، کہتا ہوں کہ لو، غالب کے ایک اور جوتی لگی۔ بہت اتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی داں ہوں۔ آج دور دور تک میرا جواب نہیں۔''

خلیق انجم لکھتے ہیں کہ مزے لے لے کر اپنی پریشانیوں کو اور مصیبتوں کا ذکر کرنے کے لیے بہت بڑا کلیجہ چاہیے۔ لیکن اپنی بات میں تاثیر محض کلیجے کے زخم بیان کر دینے سے نہیں پیدا ہو جاتی اسکے لیے

کلیجہ چیر کر دکھانا پڑتا ہے اور یہ کام غالبؔ نے اپنے خطوط میں کیا ہے۔

مرزا غالبؔ کے خطوط کی اہم خصوصیت جدت طرازی ہے۔ان کی اسی خصوصیت کی بنا پر انہیں جدید نثر کا پیش رو کہا جاتا ہے۔وہ اپنی ہر بات پرانے انداز میں نہ کہہ کر ایک نئے انداز میں کہتے ہیں۔جدت طرازی ان کے کلام کی جان ہے۔مکتوب الیہ کو اچھوتے انداز سے مخاطب کرتے۔مثلاً میر مہدی مجروح کے نام بعض خطوط کی عبارتیں:

''میاں لڑکے کہاں پھر رہے ہو، ادھر آؤ خبریں سنو''

''مارڈالا یار تیری جواب طلبی نے''

''آہاہاہا۔میرا پیارا مہدی، آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے۔بیٹھو''

دراصل مرزا غالبؔ اپنے خطوط میں لفظوں کے ذریعہ پورے منظر کی تصویر کھینچ دیتے ہیں۔یعنی منظر کشی ان کے خطوط کی جان معلوم ہوتی ہے۔ان کے اکثر خط پڑھتے وقت سارا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔جیسے ایک خط کا یہ اقتباس دیکھئے:

''اور بولو کیا لکھوں، دھوپ میں بیٹھا ہوں، یوسف علی خان اور لالہ ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں کھانا تیار ہے خط لکھ کر بند کر کے آدمی کو دوں گا اور میں گھر جاؤں گا وہاں دلان میں دھوپ آتی ہے اسی میں بیٹھوں گا منہ ہاتھ دھوؤں گا، ایک روٹی کا چھلکا سالن میں بھگو کر کھاؤں گا، چین سے ہاتھ دھوؤں گا، باہر آؤں گا پھر اس کے بعد خدا جانے کون آئے گا کیا صحبت ہوگی۔''

مندرجہ بالا اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں جزئیات نگاری میں کتنی مہارت حاصل تھی۔یعنی اگر گرمی کے موسم کا ذکر کرنا ہو ہے تو پھر دھوپ کی شدت، سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کا وقت، لو کی رفتار وغیرہ تمام جزئیات کو خوبصورت انداز میں اپنی تحریر کا حصہ بناتے ہیں۔

مختصر یہ کہ غالبؔ کے خطوط کی خصوصیات میں طنز و مزاح، شوخی تحریر، تاریخی سند، عروضی گفتگو، دلی کے حالات، جزئیات نگاری، منظر کشی وغیرہ تمام موجود ہیں۔انہوں نے ایک نیا اور اچھوتا اسلوب ایجاد کیا۔اسی اسلوب کی بدولت انہیں اردو نثر میں ایک منفرد مقام حاصل ہوا۔غالبؔ کے خطوط کو پڑھتے ہوئے جہاں ایک طرف قاری انداز نگارش کا لطف اٹھاتا ہے وہیں ان کے مزاحیہ اور علمی جملوں سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے عہد سے آگہی بھی حاصل کرتا ہے۔

11.6 آپ نے کیا سیکھا

اس سبق میں آپ نے سیکھا کہ

- خطوط غالبؔ کے کون کون سے مجموعے شائع ہوئے ہیں۔
- جدید اردو نثر کے ارتقاء میں خطوط غالبؔ کس قدر پیش رو ثابت ہوئے۔
- غالبؔ کے وہ مشکوک اشعار جن کو ان کے نام سے منسوب کیا گیا تھا ان کی وضاحت۔
- خطوط غالبؔ کی طرز نگارش کیا تھی اس کی مثالیں۔
- غالبؔ نے اپنے خطوط میں کس قدر جزئیات نگاری سے کام لیا ہے۔

11.7 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ غالبؔ نے خط لکھنے کا سلسلہ کب شروع کیا؟

2۔ خطوط غالبؔ سے قبل کس کالج نے اردو نثر کے ارتقاء میں اہم خدمات انجام دیں۔

3۔ خطوط غالبؔ کے دو اہم مجموعوں کے نام بتائیے۔

4۔ کس نے عود ہندی کے خطوط کو مرتب اور شائع کرنے کی اجازت مانگی تھی تو غالبؔ نے منع کر دیا تھا؟

5۔ غالبؔ کے کچھ متفرق مجموعے بھی شائع ہوئے ان کے نام بتائیے؟

11.8 سوالات کے جواب

1۔ غالبؔ نے خط لکھنا تقریباً 1848ء میں شروع کیا۔

2۔ خطوط غالبؔ سے قبل فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر کے ارتقاء میں اہم خدمات انجام دیں۔

3۔ خطوط غالبؔ کے دو مجموعے ایک ''عود ہندی'' اور دوسرا ''اردو معلیٰ'' شائع ہوئے۔

4۔ منشی شیونارائن آرام نے ''عود ہندی'' کے خطوط کو مرتب اور شائع کرنے کی اجازت مانگی تھی تو غالب نے انکار کر دیا لیکن بعد میں دوستوں کے کہنے پر غالبؔ راضی ہو گئے تھے۔

5۔ خطوط غالب کے متفرق مجموعوں میں ''نادر خطوط غالبؔ''، ''مکاتیب غالبؔ''، ''نادرات غالبؔ'' وغیرہ شامل ہیں۔

11.9 فرہنگ

الفاظ	معنی
دواوین	دیوان کی جمع
متذکرہ	بیان کیا گیا، بیان کیا ہوا، جس کا ذکر کیا گیا ہو، مذکورہ
والیان	والی کی جمع، حاکم، مالک، سرتاج، آقا
مقفّٰی	ہم قافیہ، قافیہ دار، جس میں قوافی ہوں،

مسجع وہ عبارت یا مضمون جس کے الفاظ آپس میں ہم قافیہ یا ہم وزن ہوں۔

بھپکیاں ڈرانے یا رعب ڈالنے کی کوشش

القاب احترامی لفظ یا الفاظ جو خط یا عرضی میں مکتوب الیہ کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

مکتوب لکھا گیا، لکھا ہوا، تحریر شدہ، تحریری، مدقوم

منبع زمین کے اندر سے پانی نکلنے کی جگہ، سوتہ یا چشمے کا سرا، سرچشمہ

اختصار طوالت کی جمع، چھوٹا، مختصر، خلاصہ

اوک چلو، گھونٹ، ایک یا دو ہاتھوں کی وہ شکل جو انہیں نیچے کے ہونٹ سے لگا کر پانی پینے کے وقت بنتی ہے۔

جفا ستم، زیادتی، ناانصافی

حسن ظن نیک گمان، کسی کے متعلق اچھا خیال، اچھی رائے

11.10 کتب برائے مطالعہ

1۔	شمس الرحمٰن فاروقی	تفہیم غالبؔ	غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 2006
2۔	خلیق انجم (مرتب)	غالبؔ کے خطوط	غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 2000
3۔	عبدالقوی دسنوی	مطالعہ خطوط غالب	نسیم بکڈپو، لاٹوش روڈ لکھنو 1978
4۔	حامدہ مسعود	خطوط غالب فنی تجزیہ	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ 1982
5۔	پروفیسر حنیف نقوی	غالبؔ اور جہان غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 2012
6۔	تنویر احمد علوی	خطوط غالبؔ کی روشنی میں غالب کی سوانح عمری	ایضاً 2004
7۔	ڈاکٹر شمس بدایونی	تفہیم غالب کے مدارج	غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 2015

اکائی12 غالب کی انفرادیت

ساخت

12.1 اغراض ومقاصد

12.2 تمہید

12.3 غالب کے حالات زندگی

12.4 غالب کی شعری انفرادیت

12.5 غالب کی نثری انفرادیت

12.6 آپ نے کیا سیکھا

12.7 اپنا امتحان خود لیجیے

12.8 سوالات کے جوابات

12.9 فرہنگ

12.10 کتب برائے مطالعہ

12.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- غالب کی زندگی اور شخصیت سے واقف ہوں گے
- غالب کی شعری انفرادیت کا جائزہ لیں گے
- غالب کی نثری انفرادیت کا جائزہ لیں گے
- غالب کی شعری ونثری اسلوب سے واقفیت حاصل کریں گے

12.2 تمہید

1858ء کے بعد اردو شعروادب میں زبردست تبدیلی آئی گرچہ اس تبدیلی کا آغاز ایک صدی قبل ہو چکا تھا، لیکن اٹھارویں صدی میں اس نے زور پکڑنا شروع کیا، اور 1857ء تک آتے آتے یہ نقطہ عروج پر پہنچ گیا۔ حالات بدل رہے تھے اور ہندوستانی سماج وسیاست ایک نئے دور سے گزر رہا تھا۔ اس تبدیلی کا اثر علم وادب پر بھی پڑنا لازمی تھا چنانچہ اس دور کے علماء، ادباء، شعراء تمام لوگ اس گراں

باری وقت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔اردو کے مایہ ناز شاعر وادیب مرزا اسداللہ خاں غالب نے ایسے ہی مشکل دور میں اپنی آنکھیں کھولیں، اپنے آس پاس کے حالات کو انگیز کیا اور ان ہی حالات کے زیر اثر ان کی شخصیت پروان چڑھی۔ان حالات کا ان کی زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑا۔روایتی اور فرسودہ خیالات سے الگ ہٹ کر اپنی راہ منفرد نکالی اور نئی روش نئے خیالات کو اپنی شاعری اور فن میں جگہ دی۔گرچہ اس تبدیلی کا اثر اس دور کے شعرا و ادبا کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔لیکن غالب کے یہاں اس کا اثر سب سے گہرا اور منفرد ہے۔

12.3 غالب کے حالات زندگی

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ اردو شعر و ادب میں ایک انفرادی حیثیت کے مالک ہیں۔آج اس سے پوری دنیا اتفاق کرتی ہے۔لیکن دیکھنا یہ ہے یہ انفرادیت ان کے یہاں آئی کیسے؟ یہ اجتہادی اور انفرادی رویہ جس نے غالب کو غالب بنایا وہ ان کی زندگی میں کس طرح سرایت کیا۔تو اس کا جواب جاننے کے لیے زندگی کے حالات اور عہد کا جاننا لازمی ہے کیوں کہ شخصیت اپنے سماج میں ہی پرورش پاتی ہے۔اور کسی بھی شخصیت کا اس کے فن سے نہایت گہرا رشتہ ہوتا ہے۔

یہ بات آج تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ غالبؔ کے آبا و اجداد کا تعلق سمرقند سے تھا اور وہ لوگ وہیں سے ہندوستان تشریف لائے۔جیسا کہ ایک خط میں خود مرزا غالب نے اعتراف کیا ہے کہ 'میرا سلسلۂ نسب فریدوں سے ملتا ہے'۔ان کے دادا کا وطن سمرقند تھا وہ شاہ عالم کے زمانے میں سمرقند سے ہندوستان تشریف لائے۔ان کے چار بیٹے جن میں ایک کا نام مرزا عبداللہ بیگ تھا جن کی شادی آگرہ میں خواجہ مرزا غلام حسین خان کمیدان کی صاحبزادی عزت النساء بیگم سے ہوئی۔ان ہی کے بطن سے مرزا غالب کی پیدائش ہوئی۔جب تک ان کے دادا زندہ رہے ان کے والد کو کچھ کھانے کمانے کی فکر نہ رہی لیکن جب مغل حکومت کی حالت دگرگوں ہونے لگی تو انہوں نے لکھنؤ اور حیدرآباد میں وقتی ملازمتیں کیں۔اور بالآخر راجستھان کے 'الور' جا کر بختاور سنگھ کی فوج میں ملازمت حاصل کر لی اور وہیں کسی معرکے میں لڑائی کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

مرزا غالب نے شعر گوئی کی شروعات بہت کم عمری میں کی جس میں وقت کے ساتھ ساتھ پختگی آتی گئی۔ابتدا انہوں نے فارسی زبان میں شاعری سے کی بعد اردو شعر گوئی کی جانب توجہ دی یہی وجہ ہے کہ ان کی ابتدائی دور کی اردو شاعری میں فارسی کا غلبہ صاف نظر آتا ہے لیکن انہوں نے بعد میں پھر اردو شعر گوئی کو اس اثر سے پاک رکھا چونکہ عربی فارسی زبان پر انہیں گرفت تھی اس لیے ان زبانوں کے تراکیب اور تشبیہات و استعارات کا وہ تاحیات خوبصورت استعمال کرتے رہے۔جیسا کہ پہلے عرض ہوا ان کی روزی روٹی پنشن سے چلتی تھی اور یہ پنشن شاہ وقت یا حکومت وقت کی جانب سے دی جاتی تھی چنانچہ اسی پنشن کے خاطر انہوں نے کانپور، الہٰ آباد، بنارس، پٹنہ، کلکتہ اور کئی

جگہوں کے اسفار کیے اور ان جگہوں کو تاریخی حیثیت عطا کی ۔ان میں سب سے طویل سفر، سفر کلکتہ ہے جہاں وہ 1828ء میں تشریف لائے اور تقریباً دو برس تک یہاں ان کا قیام رہا۔ گرچہ یہاں ان کی خاطر خواہ پزیرائی نہ ہوئی نہ ہی ان کی امید بر آئی لیکن باوجود اس کے کئی اعتبار سے سفر کلکتہ ان کا کافی یادگار رہا اور ان کی مشہور مثنوی 'بادمخالف' یہاں کے سفر کے بعد ہی لکھی گئی ۔کلکتہ کے حوالے سے ان کا یہ شعر کافی مشہور اور یادگار ہے۔

کلکتے کا جو ذکر کیا تونے ہم نشیں
اک تیر مرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

اس درمیان ان کی زندگی میں کئی پریشانیاں آئیں ۔معاشی تنگی نیز کئی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں دہلی کالج میں استاد کی حیثیت سے تعلیم دینے کی پیش کش بھی ہوئی لیکن اپنی طبیعت کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا۔آخر ان کی وابستگی قلعہ معلیٰ سے ہوئی اور انہیں شہنشاہ کی جانب سے خاندان تیموریہ کی تاریخ فارسی زبان میں لکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی اور پچاس روپے ماہانہ طے ہوا۔ یہ کتاب ''مہر نیم روز'' کی شکل میں سامنے آئی ۔اسی دوران شہنشاہِ وقت بہادر شاہ ظفر نے انہیں نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ کے خطابات سے نوازا۔اسی درمیان شیخ ابراہیم ذوق کے انتقال کے بعد بادشاہ وقت نے آپ سے اصلاح لینی شروع کی اور ان کی تنخواہ میں اضافہ ہوا۔لیکن شومئی قسمت کہ اسی وقت 1857ء کا غدر چھڑ گیا اور دلی کا شیرازہ بالکل بکھر سا گیا۔مرزا غالب کا خاندان بھی اس سے کافی متاثر ہوا اور آپ بالکل بیمار رہنے لگے شراب نوشی کی وجہ سے صحت بھی خراب رہنے لگی۔اسی کسمپرسی کی حالت میں 15 فروری 1869ء کو دہلی میں آپ انتقال فرمائے اور یہیں مدفون ہوئے۔

12.4 غالب کی شعری انفرادیت

غالب اردو کے ایک عظیم شاعر ہیں جن کی مقبولیت روز بروز دوبالا ہوتی جارہی ہے۔ان کی شاعری کے رنگ مختلف ہیں ۔ایک جانب جہاں سنجیدگی ہے تو وہی دوسری جانب شوخی اور جدت طبع ، ایک جانب عام فہم انداز ہے تو دوسری جانب مشکل پسندی اور ریاعت لفظی غرض کہ زندگی کے مختلف رنگ اور اسالیب ان کے یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ان کا دیوان گرچہ مختصر ہے لیکن یہ رنگا رنگ پھولوں کا گلدستہ معلوم ہوتا ہے جس سے ہر شخص اپنے ذوق اور پسند کا پھول چن سکتا ہے۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور۔ غالب کی شعری انفرادیت میں موضوعات، انداز بیاں اور اسلوب سبھی کا بڑا دخل ہے جنہیں مندرجہ ذیل نکتوں کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے۔

1۔ **جدت طبع اور انوکھا انداز بیان** ۔غالب کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی ان کا انوکھا انداز

بیان اور جدت طبع ہے۔ ایک جانب زندگی کی تمام لوازمات کو اپنی غزلوں میں جگہ دی تو دوسری جانب اسے وہ انوکھا انداز بیان عطا کیا جو اس سے قبل عنقا تھی۔ غالب خود کہتے ہیں۔

مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا غالب نے جس انداز سے زندگی کے موضوعات کو اپنے اشعار میں باندھا ہے اس سے ان کی انفرادیت کا خود اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ترے وعدے پر جیے ہم، تو یہ جان جھوٹ جانا کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

2۔ **فکری و فلسفیانہ اساس**۔ غالب کے کلام کی ایک اہم خوبی اس کا فکری اور فلسفیانہ پہلو ہے۔ غالب سے قبل اردو غزل کی دنیا بالکل محدود تھی آپ نے فکر، فلسفہ، منطق اور استدلال سے اس کے دامن کو وسیع تر کیا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جن سے ان کی فکر اور ذہن کو انگیز کیا جا سکتا ہے۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں مجھ پہ پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صورتیں ہوں گیں کہ پنہاں ہو گئیں

3۔ **منطق و استدلال**۔ غالب نے زندگی کا اس قدر مطالعہ کیا کہ ان کے اندر ایک آگہی اور دانش مندی پیدا ہو گئی جو ان کے ذہن میں کئی سوالات پیدا کرتیں اور پھر نہایت خوبصورتی سے خود وہ اس کے جواب دیتے۔ ان کا یہ انداز ان کے بعد اقبال کے یہاں ہمیں ملتا ہے۔ شکوہ، جواب شکوہ اس کی بہترین مثال ہے غرض ان کے اس جواب میں ان کی منطق، استدلال اور فکر کا بڑا دخل ہوتا۔ یہ سب غالب کی شاعری کی وہ خوبیاں ہیں جو انہیں انفرادیت بخشتی ہیں وہ یونہی کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شئے کو اعلیٰ بنا کر پیش نہیں کر دیتے۔ بلکہ اس میں ان کی فکر اور منطق شامل ہوتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اور بازار سے لے آئے، اگر ٹوٹ گیا ساغر جم سے مرا جام سفال اچھا ہے

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی، نہ طور پر دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

4۔ **صوفیانہ عناصر**۔ غالب گرچہ ایک صوفی شاعر نہیں تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے عملی طور پر صوفیانہ

زندگی اختیار کی لیکن ان کی سوچ اور فکر پر صوفیانہ رنگ ضرور غالب تھا۔ انہوں نے ایسے اشعار پیش کیے ہیں جن سے ان کے صوفیانہ لہجے اور فکر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

لیکن چونکہ عملی طور پر انہوں نے طاعت زہد کی پیروی نہیں کی اور ہمیشہ قلندارانہ زندگی گزاری۔ انہوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا۔

یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالب تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

5۔ **تصورِ حسن و عشق**۔ غالب کی شاعری میں اگر ایک جانب فلسفہ و منطق ہے تو دوسری جانب حسن و عشق کے لوازمات بھی نہایت توانا ہیں انہوں نے حسن و عشق کے موضوعات کو اپنی شاعری میں نہایت خوبصورتی سے برتا اور اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ان کا محبوب شوخ و چنچل ہے۔ وہ اپنی اداؤں سے عاشق کا دل لبھاتا ہے اور عاشق اس کی اداؤں سے محظوظ ہوتا ہے۔

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

6۔ **طنز و ظرافت**۔ طنز و ظرافت غالب کی شخصیت کے اہم پہلو ہیں۔ طنز و ظرافت مرزا غالب کے یہاں کوٹ کوٹ کر بھری ہے وہ باتوں باتوں میں اس طرح طنز کے تیر لگا جاتے ہیں کہ سمجھنے والا سمجھ بھی جاتا ہے۔ اور چوٹ بھی نہیں لگتی۔ شعر ہو یا نثر یہ انداز ہر جگہ غالب ہے ان کے چند اشعار دیکھیں۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

7۔ **انسان دوستی اور انسانیت نوازی**۔ غالب کی شاعری کا ایک اہم پہلو ان کی انسانیت نوازی اور انسان دوستی ہے۔ ان کا یہ شعر مشہور زمانہ ہے۔

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

غالب کے دیوان میں ایسے بے شمار اشعار ہیں۔ جن میں انسان دوستی، انسانی قدریں، انسانی

تعلقات اور انسانی ضرورتوں پر بحث کی گئی ہیں اور اخلاقی درس دیے ہیں ان میں چند اشعار ایسے ہیں جس میں انہوں نے براہ راست بحث کی ہے۔

8۔ **گنجینہ معنی کا طلسم**۔ غالب کی شاعری کئی اوصاف سے پر ہیں مثلاً تہہ داری، ذو معنی بیان، دشوار پسندی، رمز و کنایہ، معنی آفرینی، استفہامیہ انداز، تجاہل عارفانہ، خوبصورت تشبیہات و استعارات، اور الفاظ کا خوبصورت در و بست یہ وہ تمام اوصاف ہیں جس نے ملکر ان کے کلام کو ایک مقام اور مرتبہ عطا کیا ہے۔ لیکن بعض اوقات وہ ایک ایسی لفظی بازی گری سے کام لیتے ہیں کہ قاری عش عش کر اٹھتا ہے اور اس کی موسیقیت اور نغمگی میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ یہ اشعار دیکھیں۔

تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی، غافل گرمئ بزم ہے اک رقص شرر ہوتے تک

نیند اس کی ہے، دماغ اس کا ہے، راتیں اس کی ہیں تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں

انہی خوبیوں کے بنا پر غالب خود کہتے ہیں۔

گنجینہ معنی کا طلسم اسے سمجھیے جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آوے

12.5 غالب کی نثری انفرادیت

غالب کی خوش بختی یہ ہے کہ انہیں صرف اردو شاعری نہیں بلکہ اردو نثر میں بھی وہ مقام حاصل ہوا جس نے ان کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا۔ اردو نثر میں اپنی بے باک تحریر اور نرالے انداز کی وجہ سے آپ جدید اردو نثر کے موجد قرار پائے اور آج پوری دنیا دل سے اعتراف کر چکی ہے کہ آپ اگر اپنے خطوط میں اس قدر سادہ اور عام فہم زبان کا استعمال نہ کرتے تو جدید اردو نثر اتنی جلدی ارتقا پذیر نہیں ہوتی گرچہ اس وقت سرسید نے بھی علمی زبان لکھنی شروع کی لیکن ان کے یہاں اتنی بے باکی اور سہل پسندی نہیں غالب جن کے قایل تھے۔

ایسے وقت میں جب مشکل پسندی، ریاعت لفظی، قافیہ پیمائی اور دشوار پسندی، انشا پردازوں کے اصل جوہر تھے آپ نے اسے ایک نئی شناخت عطا کی اور اپنے خطوط میں بالکل سادہ، سلیس اور عام فہم زبان استعمال کیے جس نے آگے چل کر ایک نئی روایت کو جنم دیا۔ گرچہ ابتدا میں غالب کو اپنی فارسی دانی پر فخر تھا اور فارسی میں انہوں نے کئی کتابیں بھی ترتیب دیں لیکن انہیں جلد ہی اردو کی اہمیت و حقیقت کا احساس ہوگیا اور انہوں نے اس کی جانب مراجعت کی بلکہ اپنے آخری ایام میں انہوں نے اردو خطوط نگاری ہی کو اپنی زندگی کا سلیقہ بنالیا اور سرعت کے ساتھ اپنے ہم نواؤں کو خطوط لکھے۔ نثر میں بنیادی حیثیت ان کے خطوط کو حاصل ہے۔ جو انہوں نے اپنے دوست، احباب اور

کرم فرما، مخلصین اور اپنے شاگردوں کو لکھے ہیں۔ آخری ایام میں ان کا یہی مشغلہ رہ گیا تھا انہوں نے کئی جگہ یہ باور بھی کرایا ہے کہ آخری ایام میں انکے دو ہی کام رہ گئے تھے ایک خط لکھنا اور دوسرے خط کے جواب کا انتظار کرنا گرچہ کہنے کو تو یہ خطوط ہیں لیکن اس میں انہوں نے اس وقت کے سماجی، سیاسی اور معاشی حالات کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ گویا یہ ان کی شخصیت اور سماج کی روداد بن گیا۔ ان کے خطوط کے بھی کئی خصوصیات ہیں جس کی انفرادیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

ان کے خطوط کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے عود ہندی، اردوئے معلیٰ، مکاتیب غالب وغیرہ۔ غالب کے خطوط کی نثری انفرادیت بالخصوص ان کے خطوط کی خوبیوں کو مندرجہ ذیل خوبیوں کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔

1۔ **غالب کے خطوط ان کی شخصیت اور سماج کے عکاس۔** غالب کے خطوط ان کی شخصیت اور سماج کے اصل آئینہ دار ہیں خط دراصل وہ ذرائع ہوتے ہیں جس میں انسان مکتوب الیہ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیتا ہے۔ وہ خط میں اپنا حال دل یوں بیان کرتا ہے گویا مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے درمیان کوئی رازدارانہ گفتگو ہو رہی ہو یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ایسے خطوط کو کسی کی نجی ڈائری سے بھی زیادہ نجی مانا جاتا ہے کیوں کہ اس میں مکتوب نگار، مکتوب الیہ کے سامنے اپنی چھوٹی بڑی تمام باتیں شئیر کر دیتا ہے اپنے دل کا حال کھول کر رکھ دیتا ہے کچھ غالب کے ساتھ بھی یہی ہوا ان کے جتنے بھی خطوط ہیں ان میں انہوں نے صرف اپنے آس پاس کے حالات ہی کو نہیں بلکہ اپنے داخلی حالات بھی کھل کر بیان کیے ہیں۔ ایک جگہ وہ احمد حسن مینا مرزا پوری کو اپنی صحت و حالت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''قبلۂ حاجات! میرا حال کیا پوچھتے ہیں۔ زندہ ہوں مگر مردے سے بدتر۔ جو حالت میری آپ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما گئے تھے۔ اب تو اس سے بھی بدتر ہے۔ مرزا پور کیا آؤں، اب سوائے سفر آخرت اور کسی سفر کی نہ مجھ میں طاقت ہے نہ جرأت، جوان ہوتا تو احباب سے دعائے صحت کا طلب گار ہوتا۔ بوڑھا ہوں تو دعائے مغفرت کا خواہاں ہوں: سچ تو یہ ہے کہ قوت ناطقہ پر وہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا۔ طبعیت میں وہ مزہ سر میں وہ سودا کہاں۔ پچاس پچپن برس کی مشق کا کچھ ملکہ باقی رہ گیا ہے۔ اس سبب سے فن کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں۔''

2۔ **جدت طرازی اور جدید نثر کی ابتدا۔** غالب نے اپنے خطوط کے ذریعہ جدید نثر کی بنیاد ڈالی۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں لیکن اس کی ابتدا میں ہی انہوں نے وہ گل بوٹے کھلائے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ انہوں نے اپنے خطوط کے ذریعہ ایک نئے انداز کی بنیاد ڈالی جس کا انداز نرالا ہے اور بیان بے باک ہے۔ وہ اپنے مکتوب الیہ سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں گویا وہ

ان کے سامنے بیٹھا ان سے محو گفتگو ہو۔ان سے ناراضگی کا اظہار کرتے ،ڈانٹ پلاتے اپنے حالات بتاتے اور پھر ان کی خیریت پوچھتے ایسا محسوس ہوتا گویا قاری ان کے خط کی قرأت نہیں کر رہا بلکہ ایک ڈائلاگ سن رہا ہے۔اس بات کا اعتراف انہوں نے خود کیا کہ مراسلہ کو مکالمہ بنادیا ہے۔ایک جگہ مرزا حاتم علی مہر کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''مرزا صاحب !میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنادیا ہے ہزار کوس سے بہ زبان قلم باتیں کیا کرو،ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔''

اس طرح مرزا ہرگوپال تفتہ کو لکھتے ہیں۔

''بھائی مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا ہے کو،مکالمہ ہے۔''

ایک دوسری جگہ تفتہ کو لکھتے ہوئے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ

''میں اس تنہائی میں صرف خطوط کے بھروسے جیتا ہوں،یعنی جس کا خط آیا میں جانا کہ وہ شخص تشریف لایا ۔۔۔۔۔۔۔دن ان (خطوط) کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔''

3۔ **بے تکلفی اور ڈرامائی انداز**۔غالب کے خطوط کی اہم انفرادیت اس کی بے تکلفی اور اس کا ڈرامائی انداز ہے۔غالب سے قبل القاب کی لمبی لمبی لائنیں لگی رہتیں اور خط لکھنے سے پہلے بلا شبہ مکتوب نگار کو فکر کرنی پڑتی ہوگی کہ وہ اپنے مکتوب الیہ کو کس القاب اور کن جملوں سے نوازے اور مخاطب کرے بلکہ ایسے میں خط کا مضمون بھی پس پردہ پڑ جاتا ہوگا اور اس کی اہمیت القاب کے سامنے دب جاتی ہوگی لیکن غالب ان تمام روش سے ہٹ کر بالکل نئے انداز کی بنیاد ڈالی اور بنا کسی القاب اور بھاری بھرکم جملوں کے بڑی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ سامنے والے کو مخاطب کیا۔اس طرح کے تخاطب سے ان کے خط میں ایک ڈرامائی انداز پیدا ہوگیا ہے۔ایک جگہ وہ خط کے شروع میں یوسف مرزا کو لکھتے ہیں۔

''کوئی ہے،ذرا یوسف مرزا کو بلائیو،،لو صاحب وہ آئے۔''

اس طرح کا نداز اور انداز تخاطب بے شک غالب ہی کا خاصہ ہے جس کے ذریعہ انہوں نے اردو نثر میں ایک نئے انداز کی بنیاد ڈالی۔

4۔ **شوخی وظرافت**۔شوخی وظرافت مرزا غالب کی شخصیت کی خاص شناخت ہے۔انہوں نے اپنی شاعری ہوں یا نثر ہر جگہ اپنی شوخی کا احساس دلایا ہے ان کے خطوط میں یہ انداز زیادہ پختہ اور رواں ہے۔اپنے خطوط کے سنجیدہ سے سنجیدہ موضوعات کو بھی اپنی شوخی وظرافت سے ایک نیا رنگ عطا کر دیتے ہیں کہ پڑھنے والا اس میں محو ہو کر رہ جاتا ہے ان کی طبیعت میں شوخی اس طرح بھری تھی جیسے قوس وقزح میں سات رنگ۔

5۔ **خطوط بنام رپوتاژ۔** غالب کے خطوط کی ایک بڑی خوبی رپورٹ نگاری ہے جو آگے چل کر رپوتاژ کے نام سے مشہور ہوئی اور خبریں سننے اور سنانے کا سلسلہ جاری ہوا۔ اس کی شروعات بہت پہلے ہی غالب اپنے خطوط کے ذریعہ کر چکے تھے۔ خبریں اور خبروں پر تبصرہ یہ ہماری معاشرتی جبلت میں شامل ہے۔ ہم ایک دوسرے کی خبر لیتے اور اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔ یہ عناصر غالب کے خطوط میں بدرجہ اتم موجود ہیں انہوں نے اپنے خطوط میں اپنے دل کا حال ہی نہیں بیان کیا بلکہ اپنے آس پاس اپنے دوست احباب اور اپنے ساتھ ہونے والے تمام حالات کا بیان ان خطوط میں کیا ہے گویا یہ خط خط نہیں بلکہ ان کی آپ بیتی اور جگ بیتی ہے۔

12.6 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ نے

- غالب کی حالات زندگی اور ان کے عہد سے واقفیت حاصل۔
- غالب کی شعری خصوصیات سے واقف ہوئے۔
- غالب کی نثری انفرادیت سے واقفیت حاصل کی۔
- غالب کے اشعار کی خوبیاں کو الگ الگ سمجھ پائے۔
- غالب کے خطوط کی خوبیوں سے واقفیت حاصل کی۔

12.7 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ چار ایسے نام بتائیں جن کو غالب نے بار بار خطوط لکھے ہوں۔
2۔ ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم، اس کا دوسرا مصرعہ لکھیے۔
3۔ غالب کے نثری تصانیف کے نام بتائیں؟
4۔ غالب نے اپنی زندگی میں کن اہم شہروں کا سفر کیا؟
5۔ چار ماہر غالبیات کے نام بتائیں؟

12.8 سوالات کے جوابات

1۔ میر مہدی مجروح، ہرگوپال تفتہ، نواب علاؤالدین خاں علائی، یوسف علی خاں
2۔ ملتیں جب مٹ گئیں، اجزائے ایماں ہوگئیں
3۔ عود ہندی، دستنبو، مہر نیم روز، مکاتیب غالب

4۔ کلکتہ، بنارس، لکھنو، رام پور

5۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی، مالک رام، خلیق انجم، کالی داس گپتا رضا

12.9 فرہنگ

الفاظ	معانی
سخنور	شاعر
اعتدال	میانہ روی
جدت طبع	فطرت میں نیا پن
دائم	مستقل
صریر خامہ	قلم کی آواز
بازیچہ اطفال	بچوں کا کھلونا یا غیر اہم بات
نوائے سروش	آواز غیب
لعل وزمرد	قیمتی شئے
تغافل	غفلت برتنا
عشرت	خوشی
زود پشیماں	جلد افسوس کرنا
جنبش	حرکت
خوگر	عادت
منطق	گفتگو، کلام
کیش	عادت۔خصلت
ناگہانی	اچانک، اتفاق
مضمحل	پریشانی، تھکاوٹ

12.10 کتب برائے مطالعہ

1۔	دیوان غالب	مرزا غالب	انجمن ترقی اردو، دہلی، 1989
2۔	یادگار غالب	مولانا الطاف حسین حالی	غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی، 1996

3۔	آثار غالب	شیخ محمد اکرام	لکھنؤ، سال اشاعت ندادر
4۔	ذکر غالب	مالک رام	مکتبہ جامعہ، دہلی 1964
5۔	روح غالب	محی الدین قادری زور	مکتبہ ابراہمیہ ،حیدرآباد، 1939
6۔	غالب اور آہنگ غالب	یوسف حسین خان	غالب اکاڈمی، نئی دہلی، 1971
7۔	غالب کی شخصیت اور شاعری	رشید احمد صدیقی	قومی کانسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، 2000
8۔	املائے غالب	رشید حسن خاں	غالب اسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 2000
9۔	غالب کے خطوط	خلیق انجم	غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 1987
10۔	مرزا اسداللہ خاں غالب (مونوگراف)	پروفیسر شہزاد انجم	مغربی بنگال اردو اکاڈمی، کولکاتا، 2020